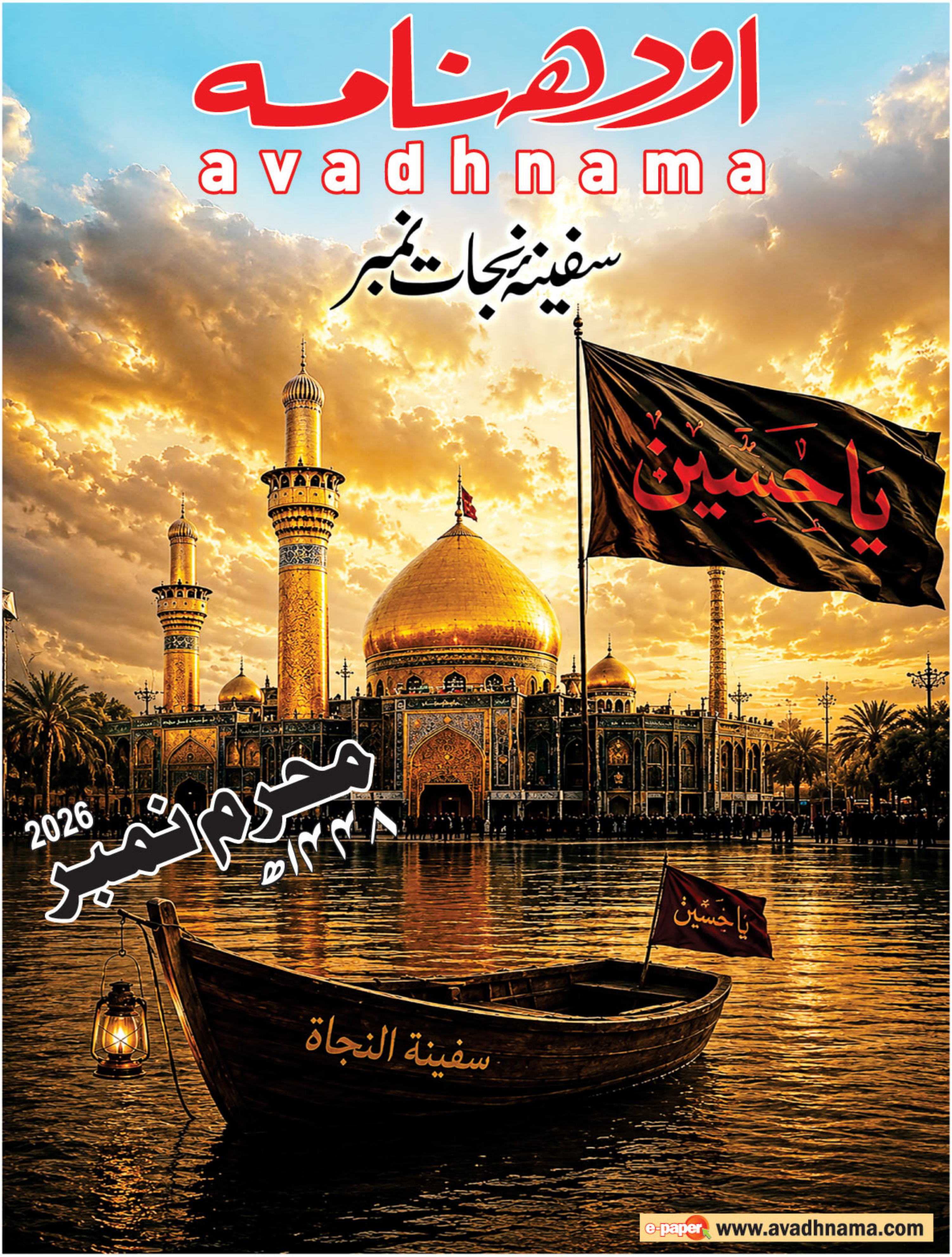
اودھ نامہ
avadhnama
سفینۂ نجات نمبر
یاحسین
محرم نمبر ۱۴۴۸ھ
2026
یاحسین
سفینة النجاة
e-paper www.avadhnama.com

امام خمینی کی نظر میں

عزاداری اور گریہ وبکا

ہمیں گریہ کرنا چاھئے اور ہمیں اس مکتب کے تحفظ کے لئے، اس تحریک کے تحفظ کے لئے ہر روز مجالس بپا کرنا چاہئیں، یہ تحریکیں امام حسین سلام اللہ علیہ کے مرہون منت ہیں۔ یہ لوگ [عزاداری پر اعتراض کرنے والے] نہیں سمجھتے، بچے ہیں یہ، بدنیت ہیں یہ۔ ہاں! ممکن ہے کہ ان میں سے بعض بدنیت ہوں، بعض کسی نقشے اور منصوبے کے تابع ہوں۔۔۔

یہ سیاستدان نہیں جانتے کہ اس محراب و منبر نے اس ملک کی کیا خدمت کی ہے۔ یہ لوگ اگر قوم پرست ہیں ہمارا اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ یہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں یہ لوگ اگر قوم پرست بھی ہیں اور اگر ملک کے ہمدرد بھی ہیں انہیں ان عزاداریوں کو فروغ دینا چاہئے کیونکہ ان عزاداریوں نے اس ملت کی حفاظت کی ہے، یہ مجالس عزا اور مصائب و گریہ ہے جس نے تمہارے ملک کو تحفظ فراہم کیا ہے۔

یہ نکتہ کہ انھوں نے [عزاداری کے مخالفین] نے نوجوانوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے کہ آخر گریہ و بکاء کب تک اور یہ مجالس عزا کب تک؟! آئیں مظاہرے کریں، یہ نہیں سمجھتے کہ عزاداری کیا ہے؛ یہ نہیں سمجھتے کہ اس عزاداری نے ہی اس بنیاد کو اب تک تحفظ دیا ہے، اور ہم ان کو یہ نکتہ سمجھا بھی نہیں سکتے۔ یہ نہیں سمجھتے یہ مجلس عزا اور یہ گریہ و بکاء انسان ساز ہے؛ یہ انسان کی تعمیر کرتا ہے۔ سید لشہداء علیہ السلام کی مجالس عزاداری ظلم کے خلاف تبلیغ و تشہیر، یہ طاغوت کے خلاف تبلیغ ہے۔ یہ مظلوم پر جو ظلم روا رکھا گیا ہے اس کو آخر تک بیان کیا جانا چاہئے۔ وہ بنیاد جس نے تمام اقدار کو اب تک محفوظ رکھا ہے، وہ سید الشہداءؑ ہی ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے بھی فرمایا کہ "انا من حسین" یعنی دین و دیانت کا تحفظ امام حسینؑ ہی کریں گے، اور اس قربانی نے اسلام کی دیانت کو اب تک محفوظ رکھا ہے اور ہمیں اس کا تحفظ کرنا چاہئے اور بعض لوگوں کے فریب میں آنے والے یہ نوجوان اس حقیقت سے غافل ہیں۔

یہ ہمارے مذہبی شعائر ہیں جن کو بہر صورت محفوظ رہنا چاہئے۔ یہ ہمارے سیاسی شعائر ہیں جن کا تحفظ ہونا چاہئے۔ یہ قلم فرسا (اور نام نہاد اہل قلم) آپ کو کہیں دھوکا نہ دیں یہ لوگ جو مختلف ناموں سے اور انحرافی اعتقادات کے ذریعے آپ کے ہاتھ سے سب کچھ چھیننا چاہتے ہیں، اور یہ دیکھ رہے ہیں یہ مجالس، یہ مظلوم کی عزاداری اور ان کے مصائب کا ذکر اور ظالم کے جرائم کی یاد آوری، ہر زمانے میں مظلوم کو ظالم کے آمنے سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔ یہ لوگ اس حقیقت کا ادراک نہیں رکھتے کہ یہ مجالس خدمت کر رہی ہیں ملک کی اور خدمت کر رہی ہیں اسلام کی۔ ہر روز یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔ اس کا ایک سیاسی پہلو ہے، سماجی پہلو ہے۔

یہ سید لشہداء علیہ السلام کا خون ہے جو اسلامی ملتوں کے خون کو جوش دلاتا ہے اور عاشورا کے عزیز دستہ جات ہیں جو لوگوں کو جذبہ دلاتے ہیں اور انہیں اسلام کے تحفظ اور اس کے مقاصد کے تحفظ کے لئے مہیا اور تیار کر دیتے ہیں۔ اس معاملے میں سستی نہیں ہونی چاہئے۔ گو کہ روزمرہ کے مسائل اور حالات حاضرہ بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

تمام منبروں سے ان نوجوانوں کے نصیحت ہونی چاہئے جو منافقین کی باتوں میں آ کر دھوکا کھا گئے ہیں، انہیں حق کی دعوت دینے کا اہتمام ہونا چاہئے۔ انہیں سمجھانا چاہئے کہ جو لوگ تمہیں اسلامی جمہوریہ کے خلاف اٹھنے کے لئے اکسا رہے ہیں یہ اسلام کے دوست نہیں ہیں، اسلام سے ان کا تعلق مثبت نہیں ہے، یہ اسلام کا نام لے کر اسلام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ ایک دن کے لئے بھی اسلام کے مقاصد کے ساتھ نہیں چلے ہیں۔ ان لوگوں نے نہج البلاغہ اور قرآن کو اوزار قرار دیا ہے تاکہ نہج البلاغہ اور قرآن کو نیست و نابود کریں۔۔۔

لوگوں کو ان کے فرائض سے روشناس کرائیں اور لوگوں سے بھی کہا جائے کہ ان کے جلوسوں کو مظاہروں کی صورت میں نہیں بلکہ روایتی دستہ ہائے جلوس ہائے عزا کی صورت میں ہونا چاہئے۔ وہی روایتی دستے جن میں شرعی اور اسلامی پہلوؤں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اور عاشورا کو زندہ رکھیں کیونکہ عاشورا کی حفاظت کی صورت میں تمہارے ملک کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ آپ خطباء کا کردار اس حوالے سے بہت اہم ہے اور آپ کی ذمہ داری بہت بھاری ہے؛ جس طرح کہ تمام علماء کا کردار بھی بہت بڑا ہے اور ان کی ذمہ داری بھی بہت بھاری ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق ذمہ دار ہے۔ (ماخوذ)۔ (بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

غیر ملکی مفکرین کی نظر میں امام حسینؑ کی قربانی

دور دراز زمانے اور مختلف سرزمینوں میں بھی حسین کی شہادت کا المناک منظر سرد ترین دل رکھنے والے قاری کے اندر بھی ہمدردی پیدا کر دے گا۔

—ایڈورڈ گبن

680ء کی ایک جھلسا دینے والی دوپہر، کربلا کی تپتی ہوئی سرزمین پر تاریخ کا ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے ہمیشہ کے لیے انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا۔ ایک طرف اموی حکمران یزید اول کی طاقتور اور بھاری اسلحے سے لیس فوج تھی، جو اپنی عسکری برتری اور اقتدار کے زعم میں مبتلا تھی، جبکہ دوسری جانب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسین ابن علیؑ تھے، جن کے ساتھ صرف 72 جان نثار، وفادار اور باعزم ساتھی موجود تھے۔

فوجی اعتبار سے نتیجہ پہلے ہی واضح دکھائی دیتا تھا۔ چھوٹے لشکر کو شہید کر دیا گیا، لیکن تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود یہ واقعہ نہ تو عراق کے صحرا کی ریت میں دفن ہو سکا اور نہ ہی جغرافیائی حدود تک محدود رہا۔ بلاشبہ مسلمانوں کے لیے کربلا انتہائی روحانی اور مذہبی اہمیت رکھتی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے مغربی مؤرخین، مفکرین، فلسفیوں اور ادیبوں کے ذہن و دل کو بھی گہرائی سے متاثر کیا ہے۔

ان اہلِ فکر نے کربلا کو محض ایک مذہبی سانحہ نہیں سمجھا بلکہ اخلاقیات، انسانیت اور جرأت کے عالمی اصولوں کی روشنی میں اس کا مطالعہ کیا۔ حیرت انگیز طور پر ان میں سے اکثر اس نتیجے پر پہنچے کہ امام حسینؑ کی قربانی انسانی وقار کی ایک آفاقی مثال اور ظلم کے خلاف ڈٹ جانے کا لازوال معیار ہے۔

آفرین فاطمه

عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے والا واقعہ

کربلا کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کا جذباتی اثر مذہبی وابستگی سے بالاتر محسوس ہوتا ہے۔ مغربی دنیا کے ایسے مبصرین بھی، جن کا اسلامی روایت سے کوئی براہِ راست تعلق نہیں، اس واقعے کو پڑھ کر گہرے رنج اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

ایڈورڈ گبن جیسے مؤرخ قارئین کو اس درد کو محسوس کرنے پر مجبور کرتے ہیں جو امام حسینؑ نے برداشت کیا۔ تین دن کی پیاس اور بھوک، صحرا کی شدید گرمی، اپنے عزیزوں، ساتھیوں، خاندان اور کم سن بچوں کو ایک ایک کر کے شہید ہوتے دیکھنا، اور اس کے باوجود ظلم کے سامنے سر نہ جھکانا بلکہ حق، انصاف اور انسانیت کے لیے ثابت قدم رہنا، یہ منظر کسی بھی حساس دل کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

شاید یہی وجہ ہے کہ کربلا آج بھی پوری دنیا کے انسانی ضمیر کو بیدار کرتی ہے۔

فتح کی نئی تعریف

روایتی عسکری یا سیاسی تجزیے کی روشنی میں دیکھا جائے تو بظاہر کربلا امام حسینؑ کے لیے ایک المناک انجام تھا۔ ان کے ساتھی شہید ہوئے، اہلِ بیت کو قید کیا گیا اور یزید کی حکومت وقتی طور پر قائم رہی۔

لیکن مغربی مفکرین نے اس واقعے کو ایک مختلف زاویے سے دیکھا۔ ان کے نزدیک کربلا نے "فتح" اور "شکست" کے مروجہ تصورات کو یکسر بدل دیا۔

اسکاٹ لینڈ کے مؤرخ اور فلسفی تھامس کارلائل نے اسے روحانی یقین اور مادی طاقت کے درمیان ایک معرکہ قرار دیا۔ ان کے نزدیک اصل اہمیت لشکروں کی تعداد میں نہیں بلکہ اس عزم میں تھی جس کے ساتھ ایک چھوٹا سا قافلہ حق پر قائم رہا اور ہر قسم کے دباؤ کے باوجود جھکنے سے انکار کر دیا۔

کارلائل کے الفاظ میں:

سانحۂ کربلا سے ہمیں سب سے بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ حسین اور ان کے ساتھی خدا پر غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ حق اور باطل کے مقابلے میں عددی برتری کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ حسین کی یہ فتح، باوجود اپنی اقلیت کے، مجھے حیران کرتی ہے۔

یہ بات اس جنگ کی غیر معمولی عدم مساوات سے بھی واضح ہوتی ہے۔ تین دن کی بھوک اور پیاس، یقینی شہادت اور ہر طرح کی ظاہری کمزوری کے باوجود امام حسینؑ نے ایک ظالم حکمران کی بیعت قبول نہیں کی۔ یوں انہوں نے یزید کو وہ اخلاقی جواز حاصل کرنے سے محروم کر دیا جو کوئی فوج یا طاقت خرید نہیں سکتی۔ یزید نے شاید وقتی طور پر میدانِ جنگ جیت لیا، لیکن امام حسینؑ نے تاریخ اور انسانیت کے ضمیر میں ہمیشہ کے لیے اپنی جگہ بنا لی۔

قربانی کی حکمت

تاریخ میں اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آیا کوئی شخصیت واقعی اصولوں کی خاطر کھڑی ہوتی ہے یا اس کے پسِ پردہ سیاسی مفادات اور اقتدار کی خواہش پوشیدہ ہوتی ہے۔

مشہور انگریز ناول نگار چارلس ڈکنز نے امام حسینؑ کے بارے میں ایک نہایت اہم نکتہ پیش کیا۔ ان کے مطابق اگر کوئی شخص دنیاوی اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کا طرزِ عمل بالکل مختلف ہوتا ہے۔

انہوں نے لکھا:

اگر حسین دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے لیے لڑے ہوتے تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ اپنی بہن، اپنی زوجہ اور اپنے بچوں کو ساتھ کیوں لاتے۔ اس لیے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی قربانی خالصتاً اسلام کی خاطر تھی۔

ڈکنز کا استدلال نہایت منطقی معلوم ہوتا ہے۔ کوئی سیاسی انقلابی یا اقتدار کا خواہش مند جرنیل کبھی بھی شیر خوار بچوں، خواتین اور بزرگ رشتہ داروں کو ایک ایسے سفر پر ساتھ نہیں لے جاتا جہاں شکست اور موت تقریباً یقینی ہو۔ امام حسینؑ کی قربانی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کا مقصد حکومت یا سلطنت حاصل کرنا نہیں بلکہ ایک سوئی ہوئی سوسائٹی کو اخلاقی انحطاط اور ظلم کے خلاف بیدار کرنا تھا۔

اسی موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے کیمبرج کے معروف مستشرق ایڈورڈ جی براؤن نے لکھا کہ کربلا کی یاد صرف غم پیدا نہیں کرتی بلکہ انسان کے اندر ایسا حوصلہ اور استقامت پیدا کرتی ہے جو خوف کو شکست دے دیتی ہے:

......کربلا کے اس خون آلود میدان کی یاد، جہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے پیاس کی شدت میں اپنے شہید عزیزوں کے درمیان گرے، اس وقت سے لے کر آج تک ہر دور میں، یہاں تک کہ غفلت میں مبتلا انسانوں کے دلوں میں بھی گہرا رنج، شدید جذبات اور ایسا بلند حوصلہ پیدا کرنے کے لیے کافی رہی ہے جس کے سامنے درد، خطرہ اور موت کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

تمام انسانیت کا مشترکہ ورثہ

جب بہت سے مغربی مؤرخین اور اہلِ قلم انسانی تاریخ کے وسیع منظرنامے پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ امام حسینؑ کو محض مشرق یا اسلام کی ایک تاریخی شخصیت کے طور پر نہیں دیکھتے۔ ان کے نزدیک آپؑ ان عظیم اخلاقی شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے اصولوں کی خاطر جان کی قربانی دی، اور اسی لیے وہ سقراط اور جون آف آرک جیسی شخصیات کے ساتھ تقابل کے قابل دکھائی دیتے ہیں۔

گبن، کارلائل، ڈکنز اور براؤن جیسے مفکرین کی آراء اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہیں کہ امام حسینؑ کا قیام ظلم اور ناانصافی کے خلاف انسان کی دائمی جدوجہد کی علامت بن چکا ہے۔ ان کی قربانی یہ سبق دیتی ہے کہ سیاسی اقتدار اور دنیاوی طاقت عارضی ہوتے ہیں، لیکن سچائی، انصاف اور اخلاقی اصول ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔

اگرچہ کربلا کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم باب ہے، لیکن اس کے اندر پوشیدہ اقدار نے اسے مذہبی اور جغرافیائی حدود سے بلند کر دیا ہے۔ آج امام حسینؑ کی داستان مختلف مذاہب، قومیتوں اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو متاثر کرتی ہے، اور یوں یہ صرف مسلمانوں کا سرمایہ نہیں بلکہ پوری انسانیت کے مشترکہ اخلاقی ورثے کا ایک روشن باب بن چکی ہے۔

اسسٹنٹ پروفیسر لینگویج یونیورسٹی، لکھنؤ

امام حسین علیہ السلام، صوفیائے کرام اور ہندوستان

پروفیسر سید محمد عزیز الدین حسین ہمدانی،
جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

صوفیائے کرام نے اسلام کے ان دو اُصولوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ ایک توحید اور دوسرے محبت اہل بیت اطہارؑ۔ دوسرے انہوں نے ان اصولوں کو اپنانے کی پوری پوری کوشش کی جو اہل بیت اطہار کی زندگیوں کا حصہ تھے یعنی ترکِ دنیا مثال کے طور پر حضرت علیؑ نے دنیا کو تین مرتبہ طلاق دے دی لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ انہوں نے دنیا ہی چھوڑ دی وہ اس دنیا میں رہے دنیاوی کاموں کو کیا اور خلیفہ بھی رہے اور اسلامی ریاست کے معاملات کو بھی دیکھا۔ اسلام میں ترکِ دنیا، رہبانیت نہیں ہے بلکہ دنیاوی منفعت اور عیش و آرام کا ترک کرنا ہے۔ صوفیائے کرام نے اہل بیت کے اس اصول کو اپنی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش مولا علیؑ نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم اتنی سخت زندگی نہیں گذار سکتے لیکن کچھ تو کوشش۔ تو صوفیاء نے یہ کوشش کی۔ کربلا کا واقعہ یا شہادتِ حسینؑ کوئی ذاتی معاملات سے متعلق نہ تھی بلکہ اُصولوں پر منحصر تھی۔ اسلامی ریاست جمہوریت کے اصولوں پر حضرت محمد مصطفیٰؐ نے قائم کی تھی لیکن 661 عیسوی میں معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا موروثی جانشین مقرر کر کے اسلامی جمہوریت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اسلامی جمہوریت کے قیام کیلئے امام حسینؑ نے اپنی شہادت پیش کی۔ 680 عیسوی میں کربلا کا واقعہ پیش آیا اور معاویہ کی قائم کردہ موروثی ملوکیت آج بھی مسلم ممالک میں قائم ہے۔ امام حسینؑ کی شہادت ہوگئی دوسرے ائمہ بھی اسی تحریک پر گامزن رہے اور وجہ شہادت پر فائز ہوتے رہے۔ ائمہ کے بعد اس تحریک کو صوفیا نے چلایا۔ 13 ویں صدی عیسوی سے ترکوں کی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی اور 1206 عیسوی میں دہلی سلطنت کی بنیاد پڑی یہ سلطنت بھی اسی موروثی نظام پر قائم تھی کہ جس کو معاویہ نے قائم کیا تھا۔ صوفیاء بھی ہندوستان آئے۔

صوفیاء اپنے ساتھ جو اصول لے کر آئے وہ توحید اور اہل بیت کی محبت تھی۔ صوفیاء کے یہاں اہل بیت سے محبت صرف اس حد تک محدود نہ تھی کہ محرم میں عزاداری امام حسینؑ کی جائے نذر و نیاز کی جائے بلکہ امام حسینؑ سے محبت اصولی تھی جس اصول کے تحت امام حسینؑ نے اپنی شہادت پیش کی وہ ملوکیت اور زمین دارانہ نظام کا قیام تھا۔ صوفیاء نے ہندوستان میں نہیں بلکہ عرب، ایران اور مرکزی ایشیا کی ان مسلم سلطنتوں کے ساتھ یہ اصول قائم کیا کہ وہ ان حکومتوں سے علیحدہ رہیں گے اُن کی نوکری نہیں کریں گے اس لئے کہ ان کا نظریہ ریاست، اسلامی نظریہ ریاست سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ ملتان، اجمیر، دہلی اور دوسرے بڑے شہروں اور قصبات میں اپنی خانقاہیں قائم کیں۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی اور شہادتِ حسینؑ کے نظریے کو ان شہروں اور قصبات میں عوام تک پہنچایا۔ صوفیاء کے پاس دولت یا زمین داری نہ تھی بلکہ صرف اپنے کردار سے شہادت حسینؑ کی تبلیغ کرتے۔ دس محرم کو تبلیغی جلوس نکالتے لیکن ان کے پاس اتنی دولت نہ تھی کہ وہ بریانی یا نان گوشت اور شیر مال تقسیم کراتے اور وہ اس لئے بھی کہ اس دس محرم کے جلوس میں ہندو بھی شریک ہوتے۔ لہٰذا انہوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ کربلا کے پیاسوں کی یاد میں پانی کی سبیل لگائیں اور اپنے ساتھ کچھ روٹیاں لے آئیں اور وہ آخر میں تمام لوگوں میں تقسیم کراتے۔ اس میں نفسیاتی پہلو یہ تھا کہ ہر شخص روٹیاں لائے گا۔ اگر ایک زمین دار یا بڑے کارخانہ کا مالک بیس دیگ بریانی تقسیم کرتا ہے تو دوسرے کھا تو لیں گے لیکن ان کا اپنا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ عورتیں وہ روٹیاں پکاتیں اور مردان کو تقسیم کرتے اور اس طرح غریب و امیر سب اس میں شریک ہو جاتے۔ صوفیاء نے سلاطین دہلی سے دوسری رکھی ان کے درباروں میں نہیں گئے اور نہ ہی ان سے دولت حاصل کی۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے جب سلطان علاء الدین خلجی نے ملنے کی درخواست کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا ایک موروثی سلطان سے ملاقات کرنے کا انکار اتباعِ حسینؑ تھا۔ اس لئے کہ تم جس نظریۂ سلطنت پر قیام ہو وہ غیر اسلامی ہے۔ موروثی سلطنت کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں سلطان قطب الدین نے یہ اصول قائم کیا کہ مہینے کی پہلی جمعرات کو تمام امراء، علماء اور مشائخ اس کے دربار میں حاضری دیں گے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اس کے دربار میں نہیں گئے تو اس نے کہلا کر بھیجا کہ اگر آئندہ ماہ میں حاضر نہ ہوئے تو سخت سزا دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے ان کا قتل واقع ہوگیا۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو سلطان محمد تغلق نے سخت اذیتیں دیں لیکن انہوں نے اس کے حکم کو نہیں مانا۔

18 ویں صدی کے آخر میں انگریزوں نے ہندوستان میں اپنے کو مضبوط کرنا شروع کر دیا اور آخرکار انہوں نے ہندوستان میں برٹش حکومت قائم کرلی۔ یہ بھی موروثی ملوکیت تھی اور انہوں نے ہندوستانیوں اور ہندوستان کا استحصال کرنا شروع کیا۔ چند ہندوستانیوں نے مخالفت کی لیکن زیادہ بڑی تعداد ان کے ساتھ رہی۔ برٹش سرکار کی نوکریاں کیں ان کی فوج میں شامل ہوئے۔ 1857 عیسوی میں برٹش حکومت کے خلاف ہندوستانیوں نے سخت بغاوت کی لیکن اسی میں ایک تعداد نے انگریزوں کا ساتھ دیا جن میں وہ افراد بھی شامل تھے جو اپنے کو آلِ رسولؐ کہتے تھے اور شجروں سے ثابت کرتے تھے۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دہلی اور اتر پردیش آرکائیوز لکھنؤ و الہ آباد اور بہار اسٹیٹ آرکائیوز ٹینڈ میں رکھے ہوئے دستاویزات اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ مسلمانوں نے برٹش سرکار سے انعامات، زمینیں اور خان بہادر کے خطابات حاصل کئے۔ ان حکمرانوں سے کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کا استحصال کر رہے تھے۔ لیکن ان ہی میں ایک مردِ مومن صوفی بھی تھا۔ "کوین وکٹوریہ" نے ان کی خدمت میں ایک گراں قدر رقم نذرانے کی روانہ کی لیکن شاہ عبداللطیف دہلوی نے شکریہ کے ساتھ یہ رقم واپس کردی۔ جواباً تحریر کر دیا کہ میرے لئے سب سے بڑی مسرت اور نذرانہ یہی ہے کہ آپ مذہب اسلام قبول کرلیں۔ کوین وکٹوریہ نے اس دعوت کے جواب میں یہی لکھا کہ میں مانتی ہوں کہ مذہب اسلام یقیناً حق ہے لیکن میرے سامنے چند وجوہات ایسے ہیں جس کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے قاصر ہوں۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ ہماری اتنی بڑی وسیع سلطنت میں ہندوستان کے اندر ایک ایسا مومن کامل بھی ہے جو حق گوئی میں آپ اپنی مثال اور خدمتِ اسلام کا صحیح جذبہ رکھتا ہے اور اس کا علمبردار ہے۔ یہ ہے اتباعِ امام حسینؑ کوین وکٹوریہ نے ہمارے لئے سوال بھی چھوڑ دیا جس پر ہم غور کریں کہ انہیں پورے ہندوستان میں صرف ایک مردِ مومن نظر آیا؟

□□

زندۂ جاوید

پنڈت ویاس دیومسرا
بیرسٹر ایٹ لا نئی دہلی

زمانہ فانی، زمانہ والے فانی، زمانہ کی ہر شے فانی، دنیا کی کسی چیز کو بقائے دائمی نہیں چاہے وہ بیل بوٹے ہوں، گل و غنچہ ہوں، دشت و چمن ہوں، غریب و امیر ہوں، بادشاہ و فقیر ہوں، سب فانی ہیں۔ یہاں تک کہ تاریخیں اور واقعات بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ کوئی بادشاہ یا کوئی لیڈر مرنے کے بعد چند سال تک زندہ رہتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا نام بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اگر نیک اعمال ہیں تو دنیا ذرا دیر تک یاد رکھتی ہے اور اگر چال چلن خراب ہیں تو یاد بھی دیر تک قائم نہیں رہتی۔ تمام نظام دنیا اس قانون کے ماتحت ہے۔ انسان اگر اسے بدلنا چاہے تو نہیں بدل سکتا۔ جب تک دنیا قائم ہے تبدیلیاں ہوتی رہیں گی اور اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی بدلتے رہیں گے۔ تاج و تخت بھی بدلیں گے طبل و علم بھی تبدیل ہوں گے۔ زمانہ بھی بدلے گا۔ زمانہ والے بھی بدلیں گے۔ آج جہاں بڑے بڑے محل ہیں بے شمار عیش و عشرت کے سامان مہیا ہیں۔ شاید کل وہاں ویرانی کا دور دورہ ہو۔ آج جہاں گلستاں اندر گلستاں ہیں اور فصل گل کی حکومت ہے شاید کل وہاں صحرا ہی صحرا نظر آئے انقلاب آتے دیر نہیں لگتی۔

دیکھتے دیکھتے بستیاں ویران ہو جاتی ہیں۔ گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ جو گھر صبح کو بھائی بھتیجوں، بال بچوں، چھوٹے بڑوں اور یار و احباب سے بھرا رہتا ہے۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہاں خاک اڑنے لگتی ہے۔ بھائی سے بہن چھوٹ جاتی ہے، بچوں سے ماؤں کی گودیں خالی ہو جاتی ہیں، سر سے مالک کا سایہ اٹھ جاتا ہے سہاگنیں بیوہ ہو جاتی ہیں، لوگ مخالف ہو جاتے ہیں، مقدر برگشتہ ہو جاتا ہے، تبسم گریہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھئے بجز خاص و عام رنج و غم اور جور و ستم کے کچھ نہیں دکھائی دیتا۔

جو شے بن گئی وہ بگڑے گی ضرور، ایک چیز کا پیدا ہونا ہی اس کے فنا ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ درند، پرند، چرند، سب فنا ہو جائیں گے مہر و ماہ مٹ جائیں گے، آسمان ستاروں سے خالی ہو جائے گا، آسمان کی کمر ٹوٹ جائے گی، اور یہ ٹکڑے ٹکرے ہو جائے گا۔

موت کا فرشتہ ہر جگہ دوڑتا ہوا آئے گا اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب موت کو موت کا سامنا کرنا ہوگا کہیں کوئی چیز باقی نہ رہے گی بجز اس ہستی کے جو ان حوادث کو اٹھا چکی ہے جس کی ثابت قدمی سے عرش بھی کانپتا ہے۔ جس کے صبر و استقلال مشیت پر چھا گئے ہیں۔ جس کی ہمت اور جرأت سے انقلابات زمانہ انگشت بدنداں ہیں۔ جس کی تین دن کی بھوک اور پیاس دونوں عالم کو ہلا سکتی ہے۔ ایسی زندۂ جاوید ہستی کون ہے۔ وہ خدا کا بھیجا ہوا امام، حبیب کبریا کا نواسہ، ید اللہ کا لخت جگر، بنت رسول کا لال، حسن مجتبیٰ کا بھائی حسینؑ ہے۔ وہ حسین جو اہل اسلام کے لئے شمع ہدایت اور دیگر مذاہب کے لئے چراغ معرفت اور دنیا کے لئے کل ایمان بن کر آیا۔ کیونکہ زمانہ انتہائی پستی کی طرف مائل تھا۔ لوگوں کے کردار جتنا گر سکتے تھے گر چکے تھے۔ میخواری جائز ہو چکی تھی، جور جفا ستم و استبداد واتھے انسانیت خونخواری کا نام تھا۔ جو راہ راست پر چلنے کا ارادہ کرتا ذبح کر دیا جاتا، جو شراب خواری کے خلاف آواز بلند کرتا وہ جان سے جاتا۔ اور ذرا ابھرنے کی کوشش کرتا وہ اور اس کے اہل و عیال نذر تیغ کر دیئے جاتے۔ باطل اتنی مضبوطی سے دنیا پر غالب تھا کہ خدا کے نیک بندے بھی اس کے سایہ میں پناہ لیتے تھے۔ ایسی مضبوط مہم کا مقابلہ کرنا کسی معمولی انسان کا کام نہ تھا۔ اس مجسمۂ باطل حکومت کا مقابلہ کرنے کے لئے حسین ابن علیؑ کل ایمان بن کر میدان عمل میں آیا۔ اکیلا نہیں آیا۔ ایمان کو بچانے کے لئے محض اپنی جان نہیں پیش کی بلکہ ایک کنبہ لے کر آیا۔ بھائی بھتیجے لے کر آیا۔ ۔ لڑکیاں لے کر آیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہمراہ لایا۔ تمام اہل حرم ساتھ لایا۔ المختصر یہ کہ علیؑ و فاطمہؑ کی عمر بھر کی تمام کمائی نذر دینے کے لئے لایا۔ ۔۔ وہ دنیا کو بتا رہا تھا کہ جس چیز کو میں بچانے کے لئے آیا ہوں وہ بہت قیمتی ہے۔ اس کے بچانے کے لئے لڑکے قربان ہو سکتے ہیں،۔ بھائیوں کی جانیں جا سکتی ہیں شیر خوار نذر ناوک ہو سکتا ہے سیدانیاں بیوہ ہو سکتی ہیں خیمے نذر آتش کئے جا سکتے ہیں۔ نبی زادیوں کی ردائیں چھن سکتی ہیں مگر شمع ایمان نذر طوفان نہیں کی جا سکتی۔ یہ وہ شمع ہے جس کو رسول خداؐ نے خانۂ خدا میں روشن کیا۔ جس نے ذو الفقار کے سایہ میں پناہ لی جس کو فاطمہؑ کی عصمت نے چار چاند لگائے۔ جس کو حسینؑ کی شہادت نے بجھنے نہ دیا۔ یہ رسولؐ کی امانت اب حسینؑ کے پاس پہنچی اور کس دور میں پہنچی جب کہ ہر طرف باطل کی سیاہ آندھیاں چل رہی تھیں ظلمت کا دورہ دورہ تھا۔ وحشت کا زمانہ تھا۔ اکثریت اس کی خواہاں کہ یہ شمع ہدایت ہمیشہ کے لئے خاموش کر دی جائے۔ حسینؑ کا منشا کہ جان جاتی ہے تو جائے۔ بچے قربان ہوتے ہیں تو ہوں خیمے لٹتے ہوں تو لٹیں، سیدانیاں مقید ہوتی ہیں تو ہوں مگر شمع محمدیؐ بجھنے نہ پائے۔ نانا کا قول پیش نظر ہے حسین منی و انا من الحسین حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ قول کا نصف حصہ یعنی حسین مجھ سے ہے۔ ایک نمایاں حقیقت ہے۔ مگر میں حسینؑ سے ہوں۔ یہ ثابت ہونا باقی ہے۔ رسولؐ کا مقصد شاید یہی تھا کہ حسینؑ مجھے اور میرے نام کو زندہ کرے گا۔ اور اسی لیے کہا تھا کہ "میں حسینؑ سے ہوں"۔ اور یہی سبب تھا کہ حسینؑ اپنی تمام بضاعت لے کر میدان کربلا میں قربان کرنے کے لئے لائے تاکہ دنیا سمجھ لے کہ نواسۂ رسولؐ کا مقصد بہت بلند اور عین ایمان ہے۔ درمیان باطل کے مقابلہ میں حسینی سپاہ کی وہی نسبت تھی جو شاید روز حشر اہل جنت و اہل دوزخ میں ہو۔ حسینؑ کی اس مختصر سی فوج میں حبیب ابن مظاہر جیسے ضعیف العمر اور علی اصغر جیسے شیر خوار بھی شامل ہیں۔ حسینؑ نے قاسم جیسا بھتیجا، عباس جیسا بھائی راہ حق میں قربان کر دیا مگر پھر بھی سنگ دل نہ پگھلے۔ یہ دیکھ کر کہ رسول کا کلمہ پڑھنے والے ہیں رسول کی شبیہ یعنی علی اکبر کو میدان جنگ میں بھیجا کہ شاید گمراہوں کو رسول یاد آجائیں اور وہ راہ حق پر آجائیں۔ یہ آخری نشانی تھی جس سے رسول اللہؐ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ مگر اللہ رے سنگدلی کہ زمانہ رسالت اور رسول کا اتنا مخالف ہو گیا تھا کہ رسولؐ کی شبیہ کا بھی پاس نہ کیا اور علی اکبر کا خون حسینؑ کی نظروں کے سامنے بہا دیا۔ رسولؐ کے نواسہ کے سامنے رسول کی شبیہ مٹا دی گئی۔ اور اس پر ہی سلسلہ ظلم ختم نہیں ہوا بلکہ نواسۂ رسول کو بھی شہید کیا۔ خیموں میں آگ لگا دی۔ بچوں کے گوشوارے اتار لئے اور سیدانیوں کو اسیر کر لیا۔

حسینؑ نے چند گھنٹوں میں اپنا تمام گھر لٹا دیا۔ حق پر مر مٹنے کے لئے آئے تھے شہید ہو گئے جس مقصد کے لئے نکلے تھے وہ پورا کیا۔ دنیا کو دکھا دیا کہ راہ حق پر چلنے والے اس طرح قربانیاں دیتے ہیں۔ آج کسی قوم میں ایسی مثال نہیں ملتی۔ حسینؑ نے دنیا کے ہر فرقے اور مذہب کو راہ حق پر مرنا سکھایا حسینؑ کی شہادت اس نکتہ کو ظاہر کرتی ہے کہ اگر ایمان پختہ ہو تو مرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اذیت محسوس نہیں ہوتی۔

ایک کربلا ہی محض سانحہ ہے جس نے اسلام کی تاریخ کو رنگین بنا لیا اور ایمان کی سب سے بڑی تبلیغ کی۔

مجھے یقین ہے کہ یہ آہستہ آہستہ دنیا واقعہ کربلا سے سبق حاصل کرے گی۔ اور ایک ایسا زمانہ یقیناً آجائے گا جب حسینیت ہی ہر شخص کا مذہب ہوگا اور دنیا کے بغض و عناد جور و ستم فتنہ و فساد ہمیشہ کے لئے مٹ جائیں گے۔۔ (بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

حسین مظلومؑ پر رونا باعث مغفرت ہے

مولانا عینی شاہ
صاحب حنفی نظامی
مولف مناقب سیدنا علی علیہ السلام حیدر آباد

ہر قوم کا ایک نیا سال اور ہر نئے سال کا ایک نیا دن ہوا کرتا ہے اور یہ نوروز عید کا دن قرار پاتا ہے۔ اس میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ مگر ہم مسلمانوں کا نوروز ۶۱ھ سے صرف رونے دھونے کے لئے پیدا ہوتا ہے اور ہمارے سال نو کی ابتدا غم والم سے ہوا کرتی ہے اور بجائے شادیانوں کے حسین حسین کی صداؤں سے ہلال محرم کا خیر مقدم کیا جاتا ہے اور اس دلدوز واقعہ کی جو ۱۰ھ میں ہو چکا ہے سال بہ سال یاد تازہ کی جاتی ہے۔ یہ خونین واقعہ اپنی آپ نظیر جریدہ عالم پر ہی نہیں بلکہ قلوب میں بھی خونین واقعہ اپنی آپ نظیر جریدۂ عالم پر ہی نہیں بلکہ قلوب میں بھی خونین حرفوں میں کندہ ہے۔ واقعہ کیا تھا مٹھی بھر معصوموں کا قتل تھا خاندان رسالت کے بھوکے پیاسے افراد کا مارا جانا تھا۔ یہ دو برابر والوں کی لڑائی نہ تھی، دو مساوی الدرجہ حیثیتوں کی جھلک نہ تھی۔ ایک طرف حسینؑ اور ان کے بہتر تن اور دوسری طرف یزید بادشاہ شام اور اس کے لاکھ ڈیڑھ لاکھ لشکری۔ ایک طرف نونہال باغ مصطفیؐ اور دوسری طرف شجرۂ خبیثہ کا عصارہ، ایک طرف روح روان رسول اللہ اور دوسری طرف لشکریان بنی امیہ ایک طرف حبیب اللہ اور دوسری طرف عدو اللہ۔

ایک طرف حق وصداقت اور دوسری طرف شیطان اور اس کی ذریت۔ اِدھر اسلام پر حسین تصدق ہونے کو کھڑے ہیں اور دوسری طرف یزیدی اسلام کے مٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ تاریخ بتادیتی ہے کہ آخر کیا ہوا؟

سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اس واقعہ کے عینی شاہد خدا، خدا کے رسول اولیاء ملائکہ اور جنات تھے۔ اور حسینؑ کی اس فتوت اور عزیمیت کی داد دے رہے تھے۔ خود حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام میدان کربلا میں موجود تھے علی موجود تھے، فاطمہ موجود تھیں۔

قاتلوں نے جب سر اقدس کو تن اطہر سے جدا کیا حسین کا خون آنحضرت ﷺ کے دامن پر گر رہا تھا اور حسینؑ کا سر نانا کی گود ہی میں امت نے اتارا اسی دن اور اسی وقت نانا نے اپنے نواسے کی شہادت کی خبر ادھر مدینہ میں ام سلمہ کو اور ادھر مکہ میں ابن عباس کو پہنچائی۔ ان حضرات نے حضور کو کس ہیئت سے دیکھا تھا۔ زلفیں گرد آلود، چہرہ پریشان، لباس اقدس خون بھرا، اور ہاتھ میں خون سے لبریز شیشہ، زار زار روتے ہوئے فرماتے تھے امت نے میرے حسین کو میری گود میں قتل کر دیا۔

وہ کون سنگ دل ہوگا جو حسینؑ کے اس سانحہ کو سنے اور روئے نہیں۔ مسلمان ہر انسان اس پر ضرور روئے گا۔ انسان انسان ہے اپنے سینہ میں دل اور دل میں درد رکھتا ہے۔ ذرا سی ٹھیس لگی اور اس کے آنسو نکل پڑے، ذرا ذرا سی بات پر ابل پڑتا ہے۔ رونا دھونا بھی بھلا قانون اور ضابطہ کے تحت آسکتا ہے۔ ان فطری جذبات کی روک تھام بھی کسی قانون سے ہوسکتی ہے۔ اِدھر انسان نے دنیا میں قدم رکھا اور اُدھر دھائیں دھائیں رونے لگا۔ آتے روتا ہے اور جاتے روتا ہے بلکہ زندگی بھر روتا ہی رہتا ہے۔ ہزاروں روٹی کے لئے روتے ہیں، صدہا بیماری پر روتے ہیں۔ کئی ایک جوان مرگی پر روتے ہیں۔ لاکھوں ناامیدیوں پر روتے ہیں۔ دنیا ناامیدیوں کا گھر، اور انسان امیدوں کا پتلہ، بے روئے کیسے گزارے، انسان نہ روئیں گے تو کیا پتھر روئیں گے۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت و روسے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

رونا جائز ہے یا ناجائز یہ ہمیں معلوم نہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ قرآن میں رونے والوں کا ذکر خیر ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ۔

ساتویں پارہ میں موجود ہے اور ینال اعینھم تفیض من الدمع حزناً مسطور ہے۔ بلکہ منہ بنا کر رونے کا بھی تذکرہ موجود ہے۔ و جاء وا آباھم عشاء یبکون۔ باپ کا بیٹے کے غم میں روتے روتے اندھے ہونے کا بھی ذکر آیا ہے۔ وابیضت عیناہ من الحزن وھو کظیم۔ حضرت آدم برسوں روئے، حضرت نوح مہینوں روئے، حضرت ابراہیم ہمیشہ روئے۔ حضرت یعقوب چالیس سال روئے۔ حضرت یوسف کنویں میں روئے۔ حضرت ایوب ایک عرصہ روئے۔ حضرت یونس روئے۔ اور حضرت زکریا روئے۔ اور خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ روئے۔ کوئی جنت کے لئے روئے۔ کوئی مغفرت کے لئے، کوئی اولاد کے لئے رویا۔ کوئی صحت کے لئے رویا، کوئی خدا کے لئے رویا، مگر روئے سارے انسان۔ ہمارے آقا بھی کبھی خدا کے لئے روئے۔ کبھی امت کے لئے روئے۔ کبھی چچا حمزہ کے لئے روئے اور کبھی نواسے حسینؑ کے لئے روئے اور اس کی ہمیں ترغیب بھی دی۔ من بکیٰ علی الحسین وجبت الہ شفاعتی۔ (احمد) ابو بکر بن ابی شیبہ نے مقنت میں عبدالرزاق نے مسند میں اور ابن منصور نے سنن میں سیدنا علی سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضور سرور عالم ﷺ بے اختیار رو رہے تھے۔ پوچھا تو فرمایا کہ جب سے شہادت حسین کی خبر ہوئی ہے میرے آنسو تھمتے نہیں ہیں۔

بیہقی اور ابو نعیم حضرت ام سلمہ سے ناقل ہیں کہ حضور میرے حضرے میں یہ حکم دے کر داخل ہوئے کہ کوئی اندر نہ آنے پائے۔ نہ معلوم کیسے حسین اندر چلے گئے۔ میں نے آہ و بکا کی آواز سن کر پردہ اٹھایا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ حضور حسین کو پیار کر رہے ہیں اور رو رہے ہیں میں نے عرض کیا خیر تو ہے فرمایا شہادت حسینؑ کی خبر آئی ہے۔

طبرانی معجم میں ام سلمہ سے مروی ہے کہ حضور ایک دن خواب سے اٹھے اور زار زار رونے لگے میں عرض کیا خیر تو ہے۔ فرمایا ایک دن حسین کی شہادت ہونے والی ہے۔

ابو بکر ابن ابی شیبہ حضرت ام سلمہ سے راوی ہیں کہ حضور کی گود میں ایک بار حسین تھے اور حضور انہیں پیار کر رہے تھے اور رو رہے تھے۔ میں نے کہا کیا بات ہے فرمایا کہ جبرئیل نے ابھی ابھی حسینؑ کے قتل کئے جانے کی خبر دی ہے اور مقتل کی خاک بھی دی ہے جس دن یہ خاک خون ہوگی اس دن سمجھنا کہ حسین قتل ہو گئے۔ میں نے اس مٹی کو باندھ رکھا۔ خدا کی قسم عاشورہ کے دن یہ خاک خون ہوگئی تھی۔

واقعہ سے پچاس سال پہلے اس ہونے والی بات کو سن کر حضور کو غم والم کرنا صدہا احادیث سے ثابت ہے مگر عین واقعہ کے روز حضور کا کیا حال تھا ذیل کی حدیثوں سے واضح ہوگا۔

ترمذی، نسائی، حاکم اور احمد ام سلمہ سے ناقل ہیں کہ حسین علیہ السلام کے عراق جانے کے بعد سے دل بے قرار اور رات اختر شماری میں کٹتی تھی عاشورہ کے روز ظہر کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ سرکار پریشان حال زار و نزار تشریف فرما ہیں۔ چہرہ گرد آلود، زلفیں پراگندہ، لباس خون آلود اور ہاتھ میں خون بھرا شیشہ میں نے عرض کیا کیا حال ہے۔ فرمایا صبح سے مقتل حسینؑ میں تھا۔ امت نے میرے حسین کو میرے سامنے ذبح کر دیا۔ یہ خون اسی کا ہے۔

اِدھر مدینہ میں مخبر صادق نے یہ خبر دی اور اسی روز اسی وقت مکہ میں ابن عباس کو بھی خبر دی کہ حسین کو امت نے میرے سامنے قتل کر دیا۔

جب حضور کو اس سانحہ پر اتنا غم والم ہو تو ہم اس کی یاد تازہ رکھیں اور روئیں، چلائیں تو کون سا جرم ہے۔ ہر قول وملت ایسے واقعات کو ہر سال تازہ کیا کرتی ہے۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام نے اپنی سہ ماہہ زندگی حضور کے فراق میں روتے روتے کاٹ دی اور اسی غم میں دنیا سے سدھاریں اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی زندگی کے ڈھائی سال کا عرصہ یاد رسول اللہ میں گزار دیا اور حضرت بلال اسی غم رسول ہیں دنیا سے گزر گئے۔ ایسی بیسویں مثالیں تاریخ سے بآسانی مل سکتی ہیں۔

طبقات میں ابن سعد شعبہ سے ناقل ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا کربلا میں گزر ہوا۔ پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا کربلا، یہ سن کر آپ بے اختیار رونے لگے۔

صرف انسان ہی نہیں بلکہ فرشتے اور جنات، زمین و آسمان بھی اس مظلوم پر روئے ہیں۔ چنانچہ ابو النعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اصبغ بن نباتہ سے روایت کی ہے کہ سیدنا علی جب کربلا پہنچے تو ہم سے فرمایا کہ یہاں ہمارے ناقے باندھے جائیں گے۔ اس جگہ پر ہمارے خیمہ نصب ہوں گے اور یہاں ہمارے بال بچے بے گناہ مارے جائیں گے اور یہاں ہمارے حسین کی بوٹیاں اڑیں گی اور اس دن ہم پر رونے والے آسمان وزمین بھی ہوں گے۔

ابو نعیم یحییٰ حضرمی سے نقابل ہیں کہ مولا مقام نینوا میں چیخ چیخ کر فرمانے لگے۔ اصبر یا ابا عبداللہ۔ ہم نے عرض کیا کیا خبر ہے؟ فرمایا کہ زبان وحی ترجمان سے سنا ہے کہ یہاں حسین شہید ہوں گے اور اس دن ان پر زمین وآسمان خون روئیں گے۔

بیہقی اور ابو نعیم نضر الازویہ سے ناقل ہیں کہ قتل حسین کے روز آسمان سے خون برسا اور زمین سے اتنا خون ابلا کہ ہمارے برتن سب خون سے بھر گئے۔

بیہقی نے علی بن سیرین سے روایت کی ہے کہ ان کی دادی کہتی تھیں کہ یوم عاشورہ سے کئی دن تک آسمان سے خون برستا رہا، اور ابو نعیم بیہقی نے ظہری سے روایت کی ہے کہ عاشورا کے روز ہرے بھرے درخت کے نیچے سے تازہ خون نکلتا تھا۔

جس دلخراش واقعہ پر سول روئیں، نبی روئیں، ولی وصی روئیں، معصوم روئیں، زمین وآسمان روئیں، حیوان اور جن روئیں۔ اور ہم سنگ دل روئیں نہیں جن کے دل میں ایمان ہو، اور ایمان حب محمدؐ ہی کا نام تو ہے ہر شخص جو مسلمان ہے وہ ضرور حسین پر روئے گا۔ کربلا کا لفظ ہی کچھ ایسا دردناک ہے کہ سنتے ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور آنکھ سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگتے ہیں۔ ہاں یزید کے حمایتی نہ روئیں تو تعجب نہیں۔ ان حضرات نے واقعات کربلا پر خاک ڈالنے اور قتل حسین کو سیاسی بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر اصل حقیقت پردۂ مجاز سے ہمیشہ نمایاں ہوتی رہی اور حسین کی صداقت کرسی نشین ہوگئی اور یہ عرس شریف ایسا مقبول عام ہوگیا کہ آپ کے نانا بابا کے اعراس سے بھی بڑھ کر وسیع الاشاعت اور ہر دلعزیز ہوگیا۔ حتیٰ کہ غیر اقوام بھی یہ عرس سال بہ سال منایا کرتی ہیں اور محرم میں ہر گوشہ سے یہ حسینؑ یا حسینؑ کی صدائیں سنی جاتی ہیں۔ آج کل اس کی روک تھام کی سعی لا حاصل جو کی جارہی ہے وہ فضول وعبث ہے دل ہی تو ہے سنگ و خشت نہیں۔ ذرا سی بات پر جوش، ذرا سی بات پر مکدر، رونا دھونا فطرت انسانی میں ہے۔ کوئی کسی بات پر، کوئی کسی بات پر روتا ہی رہتا ہے۔ فطرت بھلا کہیں دور ہوسکتی ہے یہ اور بات ہے کہ بعض صاحبان کو محرم کو رونا ناگوار ہو۔ کیوں کہ اس رونے دھونے اور واویلا مچانے سے حسین کی صداقت اور دشمنوں کی شیطنت ظاہر ہوجاتی ہے اور خواہ مخواہ دشمنان اہل بیت کے نام لوگوں کو معلوم ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ بعض مصلحان قوم نے اپنے مضامین سے اس رونے دھونے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس کے روکنے کی کوشش کی ہے۔ یہ رونے دھونے والوں کا قصور نہیں ہے بلکہ اس فعل شنیع کرنے والوں کا قصور ہے اور جرم ہے۔ جن کی بے جا حمایت میں مصلحین کے قلم آج کل اٹھ رہے ہیں۔

بعضوں کا یہ کہنا کہ یہ کہاں لکھا ہے کہ مرثیے نوحے سال بہ سال پڑھے جائیں اور رونے رلانے کی مجلسیں سال کے سال منعقد ہوں۔ اولاً عرض ہے کہ اس کی ممانعت کون سی آیت اور کون سی حدیث سے ہے کہ حسین کے لئے رویا نہ جائے اور ان کے دلدوز واقعات لوگوں کو نہ سنائے جائیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر قوم وملت اپنے رہنماؤں اور پیشواؤں کے عرس سالانہ کیا کرتی ہے۔ اس طرح ہم مسلمان بھی اپنے پیشوا حسین علیہ السلام کا عرس مناتے ہیں اور ان پر جو ظلم وستم روا رکھے گئے وہ لوگوں کو سناتے ہین۔ ان پر روتے ہیں اور رلاتے ہیں۔

دور کیوں جایئے حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا واقعہ ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر ہمارے خطبوں میں سال کے سال دوہرایا جاتا ہے او رحسینؑ پر رونے کو منع کرنے والے بھی ذبح اسماعیل کے قصے کو پڑھ کر رو پڑتے ہیں۔ یہ تو یہ، رخصت ماہ رمضان پر جمعۃ الوداع میں صدہا مسلمان رمضان کی رخصتی پر رو پڑتے ہیں اور سال کے سال یہی مرثیہ اور نوحہ مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے۔

مسلمانو! یہ کیسا انصاف ہے کہ ذبح اسماعیل کا مرثیہ جائز اور اس پر رونا، جائز، رخصت رمضان پر نوحہ خوانی جائز اور اس پر آہ وزاری جائز مگر حسینؑ کے قتل کا تذکرہ ناجائز اور حسین پر رونا دھونا ناجائز۔

صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حضرت ابو بکر صدیق، حضرت مولا مشکل کشا حضرت حسان بن ثابت، حضرت فاطمہ، حضرت عائشہ اور حضرت صفیہ نے مرثیے کہے اور یہ مرثیے صحابہ پڑھتے تھے اور رسول اللہ کی یاد میں رویا کرتے تھے۔

حضرت ام سلمہ فرماتے ہیں کہ شب وفات پیغمبر ﷺ اور شب عاشورا، میں میں نے جنوں کو مرثیہ پڑھتے اور روتے سنا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ میں اور سبط ابن جوزی نے مراۃ العرفان میں لکھا ہے کہ امام زین العابدینؑ کربلا سے جب مدینہ آرہے تھے راستہ ہی سے بشیر بن حزیم نامی شاعر کو امام مظلوم کا مرثیہ مدینہ والوں کو سنانے کے لئے اپنے آگے روانہ فرمایا تھا:

اس مرثیہ کا پہلا شعر یہ ہے:

یا اھل یثرب لا مقام لکم
قتل الحسین فاو معی مدرارا

رہا حسین مظلوم پر رونا رلانا یہ بھی جائز بلکہ باعث مغفرت ہے۔ من بکی علی الحسین فوجبت لہ شفاعتی (احمد) اور من دمعت عیناہ بقتل الحسین دمعت بواہ الجنۃ (احمد)

جواز غم حسین کے لئے مسلمانوں کے پاس کافی وافی ثبوت ہے کسی اور کی نصیحت کی ضرورت نہیں۔
(بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

□□

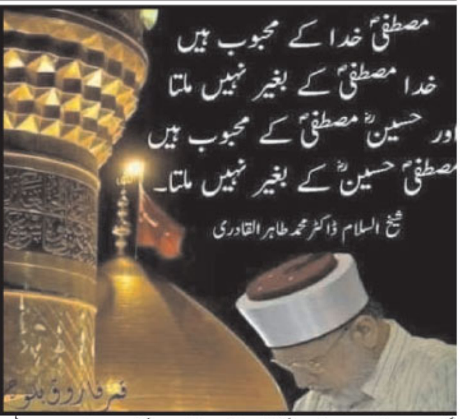

عزاداری میں اخلاص

حجۃ الاسلام الحاج مولانا محمد حجت صاحب قبلہ
وائس پرنسپل وثیقہ عربی کالج ،فیض آباد
موبائل نمبر:9935088215

جس طرح نماز و روزہ سے لے کر تمام عبادتیں اخلاص اور خوشنودی خدا چاہتی ہیں اسی طرح اخلاص اور خوشنودیٔ خدا اور رسولؐ اور آل رسولؐ عزائے معصومینؑ کی بھی روح و جان ہے۔ یاد رہے کہ عزاداری معصومینؑ کا ہر جز جیسے مجلس عزاء، جلوس عزاء، سوز خوانی، پیش خوانی، مرثیہ خوانی، حدیث خوانی، نوحہ خوانی، سینہ زنی ،تبرک، مولا کے نام پر کھانے کا اہتمام، نذر و نیاز۔ غرض عزاداری کا ہر ایک عمل اگر اخلاص اور خوشنودیٔ خدا و رسول اور آل رسول سے خالی ہے تو وہ شکل عزاداری تو ضرور ہے لیکن صحیح معنوں میں اس کو مکمل عزاداری کہنا مشکل ہوگا۔اس لیے کہ مزاجِ عبادت قصد قربت اور اخلاص ہے۔اور یہ بھی صحیح ہے کہ عمل میں اخلاص پیدا کرنا بہت مشکل بھی ہے اور بہت آسان بھی، بس ارادہ اور نیت پر صرف توجہ ہو پھر ”مشکلے نیست کہ آساں نشود“۔

عزم محکم اور روحانی طاقت کو بروئے کار لاکر اخلاص کے میدان کو بھی سر کیا جاسکتا ہے،ناممکن نہیں ہے۔ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عمل کی قدر و قیمت اور اس کے اثرات اخلاص اور نیت کی پاکیزگی پر منحصر ہیں چنانچہ مولا علی علیہ السلام نے فرمایا:

"صَلَاحُ العَمَلِ بِصَلَاحِ النِّيَّة و صَلَاحُ المَعَادِ بِحُسنِ العَمَلِ" (غرر الحکم)

عمل کی بہتری نیک نیتی پر منحصر ہے اور آخرت کی خوبی حسن عمل کی بدولت ہے۔

اور دوسری روایت میں ارشاد فرمایا:

" جَمِيلُ النِيَّةِ سَبَبٌ بِبُلُوغ الأُمنِيَّة" (غرر الحکم)۔نیک نیتی، آرزو تک پہنچنے کا سبب ہے۔

اگر عزاداری میں ہماری نیتیں پاکیزہ اور خوشنودی خدا و معصومینؑ کا قصد ہے تو ہماری یہ عزاداری بارگاہ خدا و رسول میں قبول ہوکر یقیناً ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے گی۔ اور اخلاص کے اثرات بھی ہماری دنیوی اور اخروی زندگیوں پر ضرور مرتب ہوں گے اور یہ بھی یاد رہے کہ جس عمل خیر کی بنیاد خلوص اور نیک نیتی پر رکھی جاتی ہے خداوند عالم اس کو ہمیشہ باقی رکھتا ہے اور یہ مشاہدہ میں بھی ہے کہ بہت سے بانیانِ مجالس و جلوس عزاء ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اخلاص کے ساتھ عشرے وجلوس ہائے عزاء کی بنیادیں رکھ دیں اور خدا کو پیارے ہو گئے اور آج ان کے خاندان میں کوئی بھی نہیں ہے مگر خداوند عالم نے ان کے اخلاص کی بنا پر ایسے اسباب پیدا کیے کہ ان کے قائم کیے ہوئے عشرے بھی اسی انداز سے ہوتے ہیں اور جلوس ہائے عزا بھی اپنی اسی دیرینہ روایات کے ساتھ برآمد ہوتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا کہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ مجالس و جلوس عزاء کی بنیادیں تو رکھ دی گئیں مگر زیادہ دن نہیں گزرے کہ وہ بند ہو گئیں۔ یہ سامنے کی وہ چیزیں ہیں جن کا اہل نظر آج بھی اسی دنیا میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ عزاداری معصومینؑ کرنے کے آثار کا ہماری دنیوی و اخروی زندگیوں پر مرتب ہونا ہمارے اخلاص اور پاکیزہ نیتوں پر منحصر ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے: ” اِنّمَا الاَعمَالُ بِالنِّيَّاتِ" (آلامالی للطوسی، محمد بن الحسن طوسی، ص ۶۱۸۔)اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اخلاص کے سلسلے میں سرکار علامہ سید نظر حسن مرحوم اپنی مولفہ کتاب "عین البکا مسمی بہ ندبۃ العزاء" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ علمائے کرام و مقدسین کرام حصول اخلاص میں بہت اہتمام کرتے تھے چنانچہ استاد علام فقیہ اہل بیت حضرت آقا سید ابوالحسن معروف بہ جناب ابو صاحب اعلی اللہ مقامہ آخری ذی الحجہ میں مشغول درس تھے اور جناب کے داروغہ اور کار پرداز عزاداری کا سامان مہیا کر رہے تھے جب جناب کی نظر ان اشیاء(یعنی سامان عزاء) پر پڑی تو ایک سرد آہ کھینچی اور چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ شکستگی کے آثار ظاہر ہوئے اور ایسی اضطرابی حالت طاری ہوئی کہ جیسے کوئی محبوب چیز کھو گئی ہو۔میں نے سبب پوچھا تو یہ نہیں فرمایا کہ حضرت کو یاد کر کے حالت منقلب ہو گئی بلکہ فرمایا: ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ دل میں کسی قسم کا خیال آجائے جو منافی اخلاص ہو۔(ندبۃ العزاء،سید نظر حسن۔)

یہ ہے معرفت اہل بیتؑ کا نتیجہ!ہمیں بھی سیرت علماء کرام سے سبق لینا چاہیے۔(بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

□□

عزداری وتعزیہ داری باعث اجروثواب ہے
مستند علمائے اہل سنت کے ارشادات

محمد صفدر زیدی، غازی آبادیوپی

میرے سنی و حنفی بھائیو!

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلام کا ایک غیر معمولی سانحہ ہے مشکوٰۃ شریف اور دیگر معتبر کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ عاشورہ محرم کو حضرت رسول مقبول ﷺ کو گریاں و پریشان دیکھا گیا اور تمام علمائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب آنحضرت کو خواب میں دیکھا جائے گا تو یہ سچا خواب ہوگا۔لہٰذا اس دن کے روز غم و الم ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔کوئی نیک کام اس لیے نہیں چھوڑا جاسکتا کہ وہ کام رافضی بھی انجام دیتے ہیں۔وہ نماز پڑھتے ہیں تو کیا ہم نماز بھی چھوڑ دیں؟ وہ روزہ رکھتے ہیں تو کیا ہم روزہ رکھنا چھوڑ دیں؟ رافضیوں سے زیادہ خطرناک یہ وہابی ہیں جن کے منافق اور دشمن اسلام ہونے کا فتویٰ علمائے اہل سنت والجماعت بہت پہلے دے چکے ہیں۔یہ بھیس بدل بدل اہل سنت کو ورغلاتے رہتے ہیں۔ یہ اپنے کو سنی ظاہر کرتے ہیں جبکہ ان کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ قرآن و حدیث اور ارشادات علماء کو توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کی بنانے میں بڑے شاطر ہیں۔لہٰذا مسلمانوں کو اس یزیدی ٹولہ سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔ہر سال یہ تعزیہ داری کے خلاف سعودی عرب کے پیسے کی مدد سے مہم چلاتے ہیں اور ہمارے سید و سردار حضرت محمد ابن عبداللہ ﷺ کے دین کے خلاف محمد ابن عبدالوہاب کے بدعتی دین کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ان کے دلوں میں حضرت رسول مقبول صلعم، ان کی اولاد، ازواج و اصحاب کے خلاف کینہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ یہ محفل میلاد رسول کو بدعت کہتے ہیں۔ یہ تعظیم رسول کو ناجائز جانتے ہیں یہ روضہ رسولؐ کے گنبد خضریٰ کو (معاذ اللہ) بڑا بت کہتے ہیں اور اسی طرح رسول مقبول صلعم کے چہیتے نواسے سیدنا حضرت حسینؓ کے مزار شریف کی نقل تعزیہ کو بت پرستی بتاتے ہیں جبکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ تعزیہ بت نہیں اس کی عبادت نہیں کی جاتی ہے۔ یہ قبر حسینؓ کی نقل ہے اور اہل سنت والجماعت کی معتبر کتاب فتاوای عالم گیری میں موجود ہے کہ حضور صلعم نے نقل بنانے کا حکم دیا ہے اسلام میں بدعت سیئہ کی سخت مخالفت ہے یعنی دین میں رد و بدل کرنا اور اصول وقوانین اسلام میں گھٹا بڑھا دینا۔تعزیہ داری صدیوں سے ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ بھی تبلیغ اسلام کا ایک ذریعہ ہے نہ کہ دین اسلام اضافہ جس طرح اذان اور مذہبی تقاریب کے لئے لاؤڈ اسپیکر وغیرہ کا استعمال جو ذریعہ تبلیغ ہے بدعت نہیں اگرچہ یہ دور رسول میں نہیں تھا۔اسی طرح تعزیہ بھی تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ہم ذیل میں چند قدیم علمائے اہل سنت کے ارشادات نقل کر رہے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ عزاداری و تعزیہ داری تو قدیمی چیز ہے البتہ اس کی مخالت بہت بعد میں شروع ہوئی۔ جو یقیناً بدعت اور دین میں تفرقہ و فساد کا سبب ہے۔اس موضوع پر عنقریب ایک تصنیف منظر عام پر آرہی ہے۔ جو مستند علمائے اسلام کے ارشادات پر مشتمل ہے۔اس تصنیف و اس پوسٹر کو مکمل یا اس کے اقتباسات اگر کوئی شائع کرنا چاہتا ہے تو اسے عام اجازت ہے۔وہابیوں کی طرف سے آئندہ بھی اگر تفرقہ بازی اور شر و فساد کا سلسلہ جاری رہا تو ہم اب ان کا کچا چٹھا کھولنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ مسجدوں میں ہمارے نشریات آوازیں کیجئے پڑھ کر سنائیے اور اہل سنت کو تبلیغی جماعت اور وہابیوں کے شر سے بچائیے۔ لوگوں کو سمجھائیے کہ تعزیہ نقل روضہ ہے اور بخاری شریف جلد اول میں ہے کہ غیر ذی روح کی شبیہ بنائی جاسکتی ہے۔وما علینا الا البلاغ۔

حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ:

ابونصر اپنے والد کے اسناد سے ابو اسامہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روز شہادت (مقام) قبر حسینؓ پر ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے کہ وہ قیامت تک حضرت پر گریہ و زاری کرتے رہیں گے۔(غنیۃ الطالبین جلد ۲،ص ۶۱، ۶۲،طبع مصر)

حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ابو نعیم نے دلائل میں حضرت ام المومنین ام اسلمی سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے جنوں کو سنا کہ وہ حسینؓ پر روتے اور نوحہ کرتے ہیں۔(ماثبت من السنۃ طبع کانپور ص ۲۶)

حضرت مولانا ملا محمد مبین فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ جو شخص امام حسینؓ پر آنسو بہائے یا صرف ایک قطرہ ٹپکے تو خداوند عالم اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔ (وسیلۃ النجاۃ ص ۳۰۵ مطبعہ لکھنؤ ۱۳۱۳ھ)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ایک ذکر وفات شریف کی، دوسری شہادت امام حسینؓ کے ذکر کی جو عاشور کے دن یا اس سے دو ایک دن پہلے چار سو پانچ سو، اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھتا ہے تو امام حسینؓ کے وہ فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔ان بزرگوں کی شہادت کے متعلق اور ان کے قاتلوں کی بدانجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و احادیث میں ہے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں ان شدائد و مصائب کا بھی تذکرہ جو جاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی رو سے آپ حضرات پر گزرے ہیں۔ اور وہ مرثیے بھی پڑھے جاتے ہیں جنہیں حضرت ام سلمہ اور دوسرے صحابیوں نے جنوں اور پریوں سے سنا ہے۔اس کے بعد ختم قرآن اور پنج سورہ پڑھا جاتا ہے اور ماحضر پر فاتحہ دیا جاتا ہے۔اس وقت میں اگر کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ و بکا طاری ہو جاتا ہے۔اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک اس طریقہ سے جائز نہ ہوئیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں۔امام شافعی فرماتے ہیں اگر آل محمدؐ کی دوستی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔(فتاوای عزیزیہ جلد اول ص ۱۰۴،مطبوعہ مجتبائی پریس ۱۳۲۳ھ)

حضرت مولانا سلامت علی خاں دہلوی مرحوم شاگرد حضرت شاہ عبد العزیز محدث علیہ الرحمۃ

خدا کا شکر ہے کہ تعزیہ داری آثار اسلام میں سے ہے اور ایک عالم بہت سی وجہوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اور اس سے دینی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔(تبصرۃ الایمان ص ۲۲۰،مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۶ھ)

دیوبندی عالم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

۔۔۔۔اس نے کہا میرے ہاں تعزیہ بنتا ہے پھر ہم ہندو کاہے کو ہونے لگے۔میں نے اس کو تعزیہ بنانے کی اجازت دے دی اور میری اس اجازت کا ماخذ ایک دوسرا واقعہ ہے کہ اجمیر میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اہل تعزیہ کی نصرت کا حکم دیا تھا۔(افاضات الیومیہ مولانا اشرف علی تھانوی جلد ۴،ص ۱۸۴،سطر ۱۱)

حضرت مولانا عبد الواحد فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

اس زمانہ کے علمائے صالحین نے تعزیہ داری کو شعائر اسلام سمجھتے ہوئے اس کی ترویج و بقا کے لئے فتویٰ دیا ہے۔پس اس زمانہ کے علمائے صالحین نے تعزیہ رکھنے اور تعزیہ داری کرنے کے بارے میں جو فتویٰ دیا ہے وہ بالکل صحیح و درست ہے اور تعزیہ داری کی ترویج ثواب و اجر عظیم کا سبب ہے۔مولانا نظام الدین محمد و مولانا عبد العلی محمد و مولوی مجید الدین و مولوی انوار الحق اور دوسرے علمائے فرنگی محل و اطراف ہند جب تعزیہ کو دیکھتے تھے تو تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور دونوں ہاتھ تعزیہ کی طرف دراز کر کے نہایت خضوع و خشوع اور عجز و انکسار کے ساتھ فاتحہ پڑھتے تھے۔(رسالہ ازالۃ الاوہام)

حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی سجادہ نشین درگاہ نظام الدین اولیاء دہلی

تعزیوں، نشانوں، جلوسوں اور مجلسوں کی مخالفت کسی مسلمان کو نہ کرنا چاہئے بلکہ تبلیغی حضرات کو ان سب باتوں کے قائم رکھنے کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ ان میں اسلام کی تبلیغ پوشیدہ ہے۔(نقل اشتہار ۱۹۲۸ء)

حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب المخاطب بمقبول النبی المتوفی ۱۳۴۵ھ

یقیناً قیامت تک تعزیہ داری ختم نہ ہوگی۔اس لیے کہ اس کا اہتمام خدا اور رسول کی جانب سے ہے۔کسی کے بند کرنے سے یہ بند ہو سکتی ہی نہیں۔(انوار الرحمان تنویر الجنان، لکھنؤ ۱۲۸۷،ص ۳۵۹)

قدوۃ المحققین حضرت مولانا حافظ محمد فائق صاحب حنفی ہنسوی مرحوم :

بعضوں کا یہ قول ہے کہ تعزیہ دیکھنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔اگر اس فتویٰ کو مان لیا جائے تو ہندوستان میں جتنے ہیں سب حرامی ہوئے جاتے ہیں۔اس لئے کہ ہندوستان میں کوئی ایسا آدمی نہ ہوگا کہ جس نے تعزیہ نہ دیکھا ہو۔(دافع الزام اعنی جواز التعزیہ من الادلۃ الشریعہ مطبوعہ عصر جدید پریس میرٹھ ۱۳۳۳ھ)

حضرت مولانا محمد نسیم اللہ صاحب قادری گورکھپوری

ہزاروں عالم فاضل گزرے کسی نے اس کو (تعزیہ) کو منع نہ کیا اور برابر اس کو اچھا سمجھتے آئے۔پس جب ہوا زمانہ وہابیوں کا اور شیوع پایا ان سے مذہب نے تو ٹھہرایا اس کو ناجائز اور قرار دیا اس کو بت اور یہ بعید نہیں ہے کہ ان سے کیونکہ روضہ رسول کو بڑا بت خانہ کہا ہے عبد الوہاب نے جس سے نکلا ہے مذہب وہابی۔(ارشاد النعیم لدفع اللئیم مطبعہ لکھنؤ ۱۳۱۴ھ۔ص ۲۳)

حضرت مولانا مفتی محمد اکرم الدین نبیرۂ مولانا شاہ عبد الحق دہلوی

واضح ہو کہ اس قسم کے مرثیے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ان کا کہنا اور پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔(سعادۃ الکونین ص ۱۳۷)

تعزیہ بنانا مت چھوڑنا۔

مفسر قرآن مولانا اشرف علی تھانوی

میں ایک مجمع کے ساتھ ان کی تبلیغ کے لئے وہاں گیا تھا ادھار سنگھ سے بھی اس کا ذکر آیا تو اس نے جواب میں کہا کہ ہم آریہ کس طرح ہو سکتے ہیں ہمارے ہاں تو تعزیہ بنتا ہے میں نے کہا ”تعزیہ بنانا مت چھوڑنا۔“

(اضافات الیومیہ جلد ۴ ص ۱۸۴)(بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)□□

خطبہ منیٰ: امام حسینؑ کی نگاہ میں، علماء کی ذمہ داری اور امت کا اخلاقی زوال

خطبۂ منیٰ اور اس کا پس منظر

مولانا سید ذوالفقار حیدر زیدی

مقیم حال قم ایران

خطبہ منیٰ امام حسین علیہ السلام کے ان تاریخی خطبات میں سے ہے جو امت مسلمہ کے علمی، اخلاقی اور سیاسی زوال کے خلاف بیداری کا پیغام ہے۔ یہ خطبہ اس وقت ارشاد ہوا جب معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت نے اسلامی معاشرے کو شدید ترین ظلم و جبر کا نشانہ بنا رکھا تھا، عدل کا نام و نشان مٹ رہا تھا، اور خوف و ہراس کے باعث علماء اور عوام خاموش ہو چکے تھے۔ امام حسینؑ نے حج کے ایام میں منیٰ کے مقام پر اکابر صحابہ تابعین اور علماء کو جمع کر کے ایک ایسا خطاب فرمایا جو نہ صرف علماء کی ذمہ داریوں کا روشن چراغ ہے بلکہ ظالمانہ نظام کے خلاف علمی جہاد کی بنیاد بھی ہے۔

یہ خطبہ تین اہم حصوں پر مشتمل ہے۔
اول امیر المومنین اور اہل بیتؑ کے فضائل،
دوئم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی دعوت۔
اور سوئم علماء کی ذمہ داریاں اور ظالموں کے سامنے خاموشی کے نقصانات۔

زیر نظر مضمون اسی تیسرے حصے پر مرکوز ہے جس میں امام حسینؑ نے علماء کو ان کے فرائض یاد دلاتے ہوئے امت کے اخلاقی زوال کے اسباب کو بڑی بصیرت کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

امت کا علمی اور اخلاقی معیار ہمیشہ اس کے علماء کے کردار سے جڑا ہوتا ہے۔ جب علماء صالح ہوں تو معاشرہ صحیح رہتا ہے جب علماء خاموش ہوں یا اقتدار کے دباؤ میں ہوں تو امت کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ خطبہ منیٰ نہ صرف علماء کی ذمہ داریوں کا اعلان ہے بلکہ یزیدی نظام کے خلاف علمی جہاد کا آغاز بھی ہے۔

یہ خطبہ ۵۸ ہجری کے قریب اس وقت دیا گیا جب معاشرے میں، ظلم بڑھ چکا تھا، عدل کا خاتمہ ہو رہا تھا حکومتی مشزی دین کو مسخ کر رہی تھی، علماء خاموش تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک ہو چکا تھا، امام حسینؑ نے ایسے ماحول میں امت کی اصلاح کے لئے یہ انقلابی خطبہ دیا۔

خطبہ منیٰ کے اہم نکات:

(۱) علماء کا کھلا محاسبہ، امام حسینؑ فرماتے ہیں: ''اے علماء یہ سب ظلم تمہارے سامنے ہو رہے ہیں مگر تم خاموش ہو، اللہ تم سے اس پر سوال کرے گا۔ یہ جملہ اس خطبہ کی بنیاد ہے۔

(۲) ظلم کے خلاف خاموشی سب سے بڑا جرم:

امامؑ نے فرمایا: ''تمہیں عزت و احترام دیا گیا مگر تم نے اپنے مقام کو دین کے لئے استعمال نہیں کیا''۔

(۳) دین میں تبدیلی کرنے والوں کی نشان دہی۔
امامؑ نے یزید اور بنی امیہ کی بداعمالیوں کو واضح کر کے کہا: ''یہ لوگ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر رہے ہیں مگر تم ٹوکتے نہیں۔

(۴) دولت اور حکومت کے لالچ پر تنقید:

امام نے فرمایا: ''حکمرانوں کی طرف سے ملنے والے مال نے تمہیں حق بولنے سے روک رکھا ہے''۔

(۵) قرآن کا غلط استعمال:

فرمایا: ''لوگ قرآن کی آیات کا غلط مطلب نکال رہے ہیں مگر تم میں سے کوئی انہیں درست نہیں کرتا۔

امت کا اخلاقی زوال۔ امام حسینؑ کی نظر میں

امامؑ نے امت کے زوال کے اسباب بیان کئے: (۱) علماء کی بے عملی: ''علم رکھنے کے باوجود ظلم روکنے میں ناکام۔
(۲) **دنیا پرستی۔**
حکومت کے قریب رہنا، حق سے دور ہونا۔
(۳) عدل کا خاتمہ: ''ظالموں کی حمایت اور مظلوموں سے لا تعلقی۔
(۴) دین کا مسخ ہونا: ''حکومتی فتویٰ ساز، دین کو بدل رہے تھے۔
(۵) خاموشی کی لعنت: ''ظالم کے سامنے خاموش رہنا ظلم میں شریک ہونا ہے۔

خطبۂ منیٰ کا عصر حاضر میں پیغام

آج بھی اگر علماء حق نہ بولیں، امر بالمعروف ترک ہو، ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھے، دین کی غلط تشریح عام ہو۔ دنیا پرستی غالب آجائے۔ تو یہی خطبہ ہمارے لئے بیداری کا منشور ہے۔

خطبۂ منیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ کربلا ایک سیاسی جنگ نہیں، بلکہ علمی و اخلاقی بیداری کی تحریک تھی۔

امام حسین علیہ السلام کا خطبۂ منیٰ تاریخ کے اُن خطابات میں سے ہے جنہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے حق و باطل کا معیار واضح کیا۔ یہ خطبہ علماء کی بنیادی ذمہ داریوں کا مکمل نقشہ پیش کرتا ہے۔ امامؑ نے امت کو بیدار کیا، علماء کے ضمیر کو جھنجھوڑا اور ظلم کے خلاف جہاد کی فکری بنیاد رکھ دی۔

خطبۂ منیٰ اور علماء کی ذمہ داری:

امام حسین علیہ السلام کے خطبہ کا تیسرا اور آخری حصہ علما کی ذمہ داری اور ان پر مفسدوں اور ظالموں کے خلاف جدو جہد کا واجب ہونا، ظالموں کے سامنے علماء کی خاموشی کے نقصانات اور اس بڑی دینی ذمہ داری کی انجام دہی کے سلسلے میں سستی کے نقصان دہ اور خطرناک اثرات کے جائزے پر مشتمل ہے۔

امام فرماتے ہیں:
اے وہ گروہ جو علم و فضل کے لئے مشہور ہے جس کا ذکر نیکی اور بھلائی کے ساتھ کیا جاتا ہے ، وعظ و نصیحت کے سلسلے میں آپ کی شہرت ہے اور اللہ والے ہونے کی بنا پر لوگوں کے دلوں پر آپ کی ہیبت و جلال ہے۔ یہاں تک کہ طاقتور آپ سے خائف ہے اور ضعیف و ناتواں آپ کا احترام کرتا ہے۔ حتیٰ وہ شخص بھی خود آپ کو ترجیح دیتا ہے جس کے مقابلے میں آپ کو کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی آپ اس پر قدرت رکھتے ہیں۔ جب حاجت مندوں کے سوال رد ہو جاتے ہیں تو اس وقت آپ ہی کی سفارش کارآمد ہوتی ہے۔ (آپ کو وہ عزت و احترام حاصل ہے کہ) گلی کوچوں میں آپ کا گزر بادشاہوں کے سے جاہ و جلال اور اعیان و اشراف کی سی عظمت کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہ سب عزت و احترام صرف اس لئے ہے کہ آپ سے توقع کی جاتی ہے کہ آپ الٰہی احکام کا اجرا کریں گے، اگر چہ اس سلسلے میں آپ کی کوتاہیاں بہت زیادہ ہیں۔ آپ نے امت کے حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ (معاشرے کے) کمزور بے بس افراد کے حق کو ضائع کر دیا اور جس چیز کو اپنے خیال خام میں اپنا حق سمجھتے تھے اسے حاصل کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ نہ اس کے لئے کوئی مالی قربانی دی اور نہ اپنے خالق کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی اور نہ اللہ کی خاطر کسی قوم و قبیلے کا مقابلہ کیا۔

(اس کے باوجود) آپ جنت میں رسول اللہ کی ہم نشینی اور اس کے عذاب سے امان کے تمنی ہیں، حالانکہ مجھے تو یہ خوف ہے کہ کہیں اللہ کا عذاب آپ پر نازل نہ ہو، کیونکہ اللہ کی عزت و عظمت کے سائے میں آپ اس بلند مقام پر پہنچے ہیں۔ جبکہ آپ خود ان لوگوں کا احترام نہیں کرتے جو معرفت خدا کے لئے مشہور ہیں جب کہ آپ کو اللہ کے بندوں میں اللہ کی وجہ سے عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ دیکھتے رہتے ہیں کہ اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود آپ خوفزدہ نہیں ہوتے۔ اس کے بر خلاف اپنے آباؤ اجداد کے بعض عہد و پیمان ٹوٹتے دیکھ کر آپ لرز اٹھتے ہیں۔ جبکہ رسول اللہؐ کے عہد و پیمان (۱) نظر انداز ہو رہے ہیں اور کوئی پروا نہیں کی جا رہی ہے۔ اندھے گونگے اور اپاہج شہروں میں لاوارث پڑے ہیں اور کوئی ان پر رحم نہیں کرتا۔ آپ لوگ نہ تو خود اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور نہ ان ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو کچھ کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں نے خوشامد اور چاپلوسی کے ذریعے اپنے آپ کو ظالموں کے ظلم سے بچایا ہوا ہے جبکہ خدا نے اس سے منع کیا ہے اور ایک دوسرے کو (بھی) منع کرنے کے لئے کہا ہے۔ اور آپ ان تمام احکام کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔

امام نے اپنے خطاب کا اختتام ان الفاظ میں فرمایا:
ترجمہ: بارالٰہا! تو جانتا ہے کہ جو کچھ ہماری جانب سے ہوا (بنی امیہ اور معاویہ کی حکومت کی مخالفت میں) وہ نہ تو حصول اقتدار کے سلسلے میں رسہ کشی ہے اور نہ ہی یہ مال و دنیا کی افزوں طلبی کے لئے ہے بلکہ صرف اس لئے ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ تیرے دین کی نشانیوں کو آشکار کر دیں اور تیری مملکت میں اصلاح کریں، تیرے مظلوم بندوں کو امان میسر ہو اور جو فرائض، قوانین اور احکام تو نے معین کئے ہیں ان پر عمل ہو۔ اب اگر آپ حضرات (حاضرین سے خطاب) نے ہماری مدد نہ کی اور ہمارے ساتھ انصاف نہ کیا تو ظالم آپ پر (اور زیادہ) چھا جائیں گے اور (نور نبوت) کو بجھانے میں اور زیادہ فعال ہو جائیں گے۔ ہمارے لئے تو بس خدا ہی کافی ہے۔ اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف ہماری توجہ ہے اور اسی کی جانب پلٹنا ہے۔

یہ وہ خطبہ تھا جو امام حسین علیہ السلام نے منیٰ میں ارشاد فرمایا اور تمام حاضرین کو تاکیدی حکم دیا کہ یہ پیغام دوسروں تک پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کریں تا کہ رفتہ رفتہ تمام مسلمان، پیکر اسلام کو پہنچنے والے ان نقصانات سے آگاہ ہو جائیں جن کے نتیجے میں اسلام کی اساس کو خطرہ لاحق ہے۔

(۱) اس سے مراد وہ عہد و پیمان ہیں جو بیعت کے وقت رسول گرامی نے لئے تھے۔ اسی طرح ولایت اور جانشینی کے لئے غدیر خم کے موقع پر رسول اللہ سے جو عہد پیمان کئے گئے تھے وہ بھی مراد ہیں۔

اس لئے کہ (اگر آپ سمجھیں تو) علماء کے اعلیٰ مقام و منزلت سے آپ کو محروم کر دیا گیا ہے، کیوں کہ مملکت کے نظم و نسق کی ذمہ داری علمائے الٰہی کے سپرد ہونی چاہیئے جو اللہ کے حلال و حرام کے امانت دار ہیں۔ اور اس مقام و منزلت کے چھین لئے جانے کا سبب یہ ہے کہ آپ حق سے دور ہو گئے ہیں اور واضح دلائل کے باوجود سنت کے بارے میں اختلاف کا شکار ہیں۔

اگر آپ اذیت و آزار جھیلنے اور اللہ کی راہ میں مشکلات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتے تو احکام الٰہی (اجراء کے لئے) آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے، آپ ہی سے صادر ہوتے اور (معاملات میں) آپ ہی سے رجوع کیا جاتا لیکن آپ نے ظالموں اور جابروں کو یہ موقع دیا کہ وہ آپ سے یہ مقام و منزلت چھین لیں اور اللہ کے حکم سے چلنے والے امور (وہ امور جن میں حکم الٰہی کی پابندی ضروری تھی) اپنے کنٹرول میں لے لیں تا کہ اپنے اندازوں اور وہم و خیال کے مطابق فیصلے کریں اور اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کریں۔

وہ حکومت پر قبضہ کرنے میں اس لئے کامیاب ہو گئے کیونکہ آپ موت سے ڈر کر بھاگنے والے تھے اور اس فانی اور عارضی دنیا کی محبت میں گرفتار تھے۔ پھر (آپ کی یہ کمزوریاں سبب بنیں کہ) ضعیف اور کمزور لوگ ان کے چنگل میں پھنس گئے اور (نتیجہ یہ ہے کہ) کچھ تو غلاموں کی طرح کچل دیئے گئے اور کچھ مصیبت کے ماروں کی مانند اپنی معیشت کے ہاتھوں بے بس ہو گئے۔ حکام اپنی حکومتوں میں خود سری، آمریت اور استبداد کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں ذلت و خواری کا سبب بنتے ہیں، بدقماش افراد کی پیروی کرتے ہیں اور پروردگار کے مقابلے میں گستاخی دکھاتے ہیں۔

ہر شہر میں ان کا ایک ماہر خطیب منبر پر بیٹھا ہے، زمین میں ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور ان کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں (یعنی جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں) عوام ان کے غلام بن گئے ہیں اور اپنے دفاع سے عاجز ہیں۔ حکام میں سے کوئی حاکم تو ظالم و جابر اور دشمنی اور عناد رکھنے والا ہے اور کوئی کمزوروں کو سختی سے کچل دینے والا، ان ہی کا حکم چلتا ہے جبکہ یہ نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ روز جزا کو۔

تعجب ہے اور کیوں تعجب نہ ہو! ملک ایک دھوکے باز ستم کار کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے مالیاتی عہدیدار ظالم ہیں اور صوبوں میں اس کے (مقرر کردہ) گورنر مومنوں کے لئے سنگ دل اور بے رحم)۔ (آخرکار) اللہ ہی ان امور کے بارے میں فیصلہ کرے گا جن کے بارے میں ہمارے اور ان کے درمیان نزاع ہے اور وہی ہمارے اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلاف پر اپنا حکم صادر کرے گا۔

خاتمہ:

خطبۂ منیٰ کا یہ حصہ دراصل علماء دانشوروں اور دین کے علمبرداروں کے لئے ایک مکمل منشور ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اس خطبہ میں واضح فرما دیا کہ جب علماء حق گوئی سے کنارہ کرلیں، ظالموں کے سامنے خاموشی اختیار کر لیں۔ دنیا پرستی میں مبتلا ہو جائیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کر دیں تو امت کا علمی اور اخلاقی زوال یقینی ہو جاتا ہے۔

امامؑ نے علماء کی اس خاموشی کو ظلم میں شرکت قرار دیا اور انہیں یاد دلایا کہ وہ جس عزت و منزلت سے بہرہ ور ہیں، وہ اسی لیے ہے کہ لوگ ان سے حق کے قیام کی توقع رکھتے ہیں۔ لیکن جب علماء اپنے اس منصب کو چھوڑ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ تو ظالم حکمراں دین کو مسخ کرتے ہیں، حلال و حرام میں اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں، اور معاشرے کے کمزور طبقے روندے جاتے ہیں۔

آج بھی یہ خطبہ اسی شدت اور اہمیت کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ کربلا محض ایک جنگ کا نام نہیں، بلکہ حق و باطل کے درمیان ابدی جدوجہد کا نام ہے اور اس جدوجہد میں علماء کا کردار سب سے اہم ہے۔ اگر علماء حق پر قائم رہیں ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں تو امت کبھی زوال پذیر نہیں ہو سکتی۔ امام حسینؑ کا یہ پیغام آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

''حق کے لئے اٹھو، ظلم کے خلاف کھڑے ہو، اور دین کو برباد ہونے نہ دو۔ (بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ) □□

عزاداری کا اہداف کردار سازی اور معاشرہ میں مثبت تبدیلی رہے

ڈاکٹر شجاعت حسین
4/771، فرینڈز کالونی، علی گڑھ
موبائل 7060888223

زندگیاں بیت گئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا ایک باب بھی پورا نہ ہوا

کربلا کی عزاداری 1387 سال سے مسلسل جاری وساری ہے اور جب تک شمس وقمر، فرش وعرش، کوہ واقیانوس اور خالق کائنات کی مخلوقات زندہ ہے یہ سلسلہ اپنی آب وتاب سے گریہ وزاری، آہ وبکا کے ساتھ مقصد شہدائے کربلا کو عام کیا جاتا رہے گا۔ اس عزاداری کی اہمیت وتقدس کی حفاظت اور فروغ دینا فرض شناسی کی علامت اور باعث بصیرت، معرفت و نجات ہے کیونکہ عزاداری کی بنیاد حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے رکھی اور آئمہ علیہما السلام نے خصوصی طور پر اس کو جاری وساری رکھا۔ طلباء وطالبات سے تاریخ اسلام کے مطالعہ کا مطالبہ ہے۔

غم حسین ع منانا بہت ضروری ہے
حسینی شمع جلانا بہت ضروری ہے

دنیا کی تاریخ، ادب، مذہب یا کسی موضوع پر سب سے زیادہ تذکرہ ہوا ہے تو وہ لفظ کربلا ہے۔ کربلا کیا ہے؟ کربلا کیا نہیں ہے؟ کربلا، اسلام، انسانیت، اخلاق اور محبت وآشتی کی روح ہے۔ کربلا ضمیر کو زندہ رکھنے کا عنصر ہے، یہاں سے سبق حاصل ہوتا ہے کہ موت شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ کربلا ہونٹوں پر تبسم کے ساتھ شہید ہونے کی مثال ہے۔ کربلا حیات علم حاصل کرنے کا حوزہ ہے۔ یہ آہنی عزم پیدا کرتی ہے۔ کربلا ایک ایسا معرکہ ہے جہاں جنگ وجدل میں سن وسال کا کوئی لحاظ نہیں، بشریٰ کمال کا مظہر ہے۔ کربلا سجدہ گاہ وعبادت گاہ ہے۔ کربلا خود بینی و آگہی ہے۔ کربلا خیر خواہی اور خیر سگالی ہے۔ کربلا انسانی رشتوں کی پاسداری کا منبع ہے۔ حقیقتِ ابدی، توقیرِ ایمان اور تفسیر قرآن ہے۔ کربلا انسانی آزادی، ظلم سے مقابلہ، صبر وتحمل، شکرِ معبود، وفاداری اور بندگی پروردگار کی درسگاہ ہے۔

عزاداری ایک فارسی لفظ ہے۔ یہ عربی لفظ عزا پر مشتمل ہے جو فارسی لفظ داری ※ کے ساتھ مل کر مطلب نکلتا ہے: سوگ میں، ماتم کرنا۔ یہ عزاداری قمری کیلنڈر کے ماہِ اوّل، محرم الحرام میں غمِ شہدائے کربلا منایا جاتا ہے۔ سب سے اہم کردار علماء کرام، خطبا، مقررین وذاکرین کا ہے۔ وہ حاضرین عزادار کو منبر سے قرآن کی تلاوت وتفسیر، حدیث رسول اکرم ﷺ، اور آئمہ اطہارؑ کے اقوال وبیان کی روشنی میں کربلا کے شہدا کے فضائل ومصائب بیان کرتے ہیں۔ علماء کرام وارث رسول ﷺ ہیں، مبلغین دیں ہیں۔ لہٰذا ان کی ذمہ داری ہے کہ اس اعلیٰ درجہ کے عہدے و بلند ترین مقام کو حسن وخوبی سے نبھائیں۔ بانیان مجلس، شعراء کرام، مرثیہ خواں، سوز خواں، نوحہ خواں اور ماتمی دستوں کا بھی عزاداری برپا کرنے، اسے فروغ دینے میں اہم کردار ہے۔ اس عزاداری میں غیر شیعوں کا بھی کردار رہا ہے۔

10 اکتوبر 680ء سے لے کر 2026 تک کے دوران سفر، نشیب وفراز، فروغ وعروج میں عزاداروں کے کردار کو جاننا ہوگا۔ بانیان مجالس، علماء کرام، ذاکرین، مرثیہ خواں، سوز خواں، نوحہ خواں، ماتمی دستہ

اتفاق ہے کہ امام حسینؑ زبردست عبادت گزار تھے۔ آپؑ شب و روز میں بے شمار نماز پڑھتے اور انواع واقسام عبادت سے سرفراز ہوتے تھے۔ بے شمار زخم، خون آلود، تین دن کا بھوکا پیاسہ، 71 لاشوں کا اٹھانا اور زیر خنجر سجدہ شبیری، نفس مطمئنہ کا پیکر، شکر خدا کر رہا ہے۔ نوک نیزہ پر سر بریدہ حضرت امام حسینؑ تلاوت کلام پاک کر رہا ہے۔ ان خصوصیات کو اپنے اعمال کو

مجلس پیغام پہنچانے اور دروس علم وعمل کا ذریعہ ہے۔ اب رسمی عزاداری سے باہر نکلنے کا وقت ہے۔ کربلا کو موجودہ دور کے مسائل سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ ظلم، ظلم کے خلاف خاموشی، فقدان مساوات، ناانصافی، غرور، بد اخلاقی، کتب بینی سے دوری، علم وعمل سے بے توجہی ہی آج کا یزید ہے۔ عمل میں برکت ہے۔ لہٰذا ذاکرین خود عمل کریں،

اب معزرت وشائستگی سے آپ حضرات کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ ہر سال محرم الحرام میں مجالس برپا ہوتی ہیں لیکن چند عزادروں کا کہنا ہے کہ اس کے مثبت اثرات ونتائج مرتب نہیں ہورہے ہیں۔ عزاداروں کے ذہن میں سوال گھومتا ہے کہ کیا یہ عزاداری ہے یا صرف ایک رسم؟ کربلا کا پیغام عزداروں کے کردار سے معاشرے میں عیاں کیوں نہیں ہوتا ہے۔ وارث رسول ص کے خطاب میں ویسا اثر نہیں جیسا کہ امیدیں وابستہ ہیں۔

اور بالخصوص شعراء کرام کے کردار کو جاننا اور مجموعی طور پر وہ اپنے کردار کو کس طرح دیکھتے ہیں۔ خود محاسبہ لازمی ہے۔ عزادار انہیں کس طرح دیکھتے ہیں۔ سماج، مذہب وملت میں خودسازی میں کیا کردار انجام دے رہے ہیں؟ خود میں حریت پسندی، جذبہ قربانی، حوصلہ، ظلم وستم شکنی کے علمبردار، صبر وشکر کے مظہر ہیں یا نہیں؟ عزادار شہدائے کربلا برصغیر والوں نے کربلا کو 2 سو برس میں سمجھا یا نہیں؟ اگر سمجھا تو اس کا اثر ان کی زندگی میں نمایاں ہے یا نہیں؟ بہرحال، چند ایسے دل سوز سوال ہیں جو ذہن میں کچوکے مارتے ہیں جسے ہرگز نظر انداز نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

بیشک تاریخ شاہد ہے کہ ہر صدی، ہر دور، ہر ملک اور خطہ میں کچھ ایسی شخصیتیں اوراق سبق و مثال ہیں جنہوں نے کربلا کے پیغام کو اپنایا۔ اپنے آپ میں پنہاں کیا اور اثرات وخوبیوں کو دوسرے کی حیاتیات میں بھی منتقل کیا۔ آج بھی ایسی شخصیتیں دنیا میں بے مثال اور درخشندہ تاریخ رقم کر رہی ہیں۔ اس عزاداری سے درس ملتا ہے جسے درج ذیل شعر پر غور کریں:

شمع سے شمع جلے سلسلہ جاری رہے
ہم رہیں یا نہ رہیں یہ عزاداری رہے

کربلا کا ذکر جہاں بھی ہوگا اس میں مقصد شہدائے کربلا کا تذکرہ ہوگا، شہادت سید الشہدا، وفادار کربلا، ہمشکل مصطفیٰ شہزادہ اکبر، ننھا مجاہد ششماہہ حضرت علی اصغر، اٹھارہ بنی ہاشم، بریر، وہب بن عبداللہ الکلبی، غلام جون، دوست و رفیق، ضعیف العمر حبیب ابن مظاہر، مسلم ابن عوسجہ اور شب بھر میں قاتل سے مقتول بننے والا حر علیہ السلام کا تذکرہ ہونا لازمی ہے۔

یہ قابل غور اور اتباع امت محمدی ﷺ کے نواسہ، امام حسینؑ کی قربانی کو یاد کیا جاتا ہے لیکن آپؑ کی امت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ سید الشہداء کی عبادت، سخاوت اور دیگر خصوصیات کو اپنا شعار زندگی بنائیں۔ مجھ جیسا تجھ جیسے کی بیعت نہیں کرسکتا، علماء ومورخین کا

کردار سے زندگی کا شعار اجزاء بنانا ہوگا۔ یہی کربلا کے شہداء کے پیغام کی تبلیغ وتشہیر کا آئینہ وذریعہ ہے۔

کربلا کو سمجھنے کے لئے ان کے مختلف پہلوؤں کو بغور مطالعہ کی ضرورت ہے جیسے آپؑ کی عبادت، سخاوت، ایفائے عہد، جرآت وصداقت، تحفظ شریعت، انسانی ہمدردی، صبر، کردار وعمل، عصبیت کی نفی، اسلام کے خلاف ملوکیت کی بہیمانہ شازش کو بے نقاب کرنا، ہدف قربانی، حسینؑ کے بغیر نوع انسانی کی تباہی، سیرت حسینؑ قرآن کی روشنی میں، رسولؐ کی نگاہ، خلفاء کی نگاہ میں، علامہ شبراوی کی نگاہ میں، علامہ علائلی کی نگاہ میں، معروف مفکرین، فلسفی، محدثین، محققین، مصنفین، مدبرین، اکابرین و دانشوران کی نظر میں، حضرت امام حسینؑ کی عظمت، فضیلت وکرامات کا مطالعہ، سماعت کرنا اور سمجھنا لازمی ہے اور اپنے کردار وعمل سے معاشرے کی تشکیل دینے کی ضرورت ہے۔

اب معزرت وشائستگی سے آپ حضرات کو مخاطب کیا جارہا ہے کہ ہر سال محرم الحرام میں مجالس برپا ہوتی ہیں لیکن چند عزادروں کا کہنا ہے کہ اس کے مثبت اثرات و نتائج مرتب نہیں ہورہے ہیں۔ عزاداروں کے ذہن میں سوال گھومتا ہے کہ کیا یہ عزاداری ہے یا صرف ایک رسم؟ کربلا کا پیغام عزداروں کے کردار سے معاشرے میں عیاں کیوں نہیں ہوتا ہے۔ وارث رسول ص کے خطاب میں ویسا اثر نہیں جیسا کہ امیدیں وابستہ ہیں۔

غم حسین ع کا سینے میں داغ لے کر چلو
لحد میں ہوگا اندھیرا چراغ لے کر چلو

کربلا ایک ابدی وآفاقی پیغام ومقصد ہے۔ وارث رسول ص کو اس پیغام ومقصد کے امین بننے کی ضرورت ہے۔ اہل منبر سید الشہداء اور ان کے رفقاء کی عظیم قربانی کے پیغام ومقصد کو مدنظر رکھیں۔ مطالعہ، فکر وفہم پر مرکوز کرنا ہوگا۔ سامعین کے قیمتی وقت کا خیال اور فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی مجلس میں شرکت کو احساس کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

پھر دعوت دیں۔ مقررین کے بارے میں معاشرے میں معلوم رہے کہ جو مقرر آج خطاب کرنے والے ہیں باعمل ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ نوجوانوں کو غور وفکر، تدبر و تفکر، علم وعمل، شعور وغیور، تشکیل وتمدن، صلاحیت وہنر اور کامیابی وکامرانی پر متوجہ کریں۔ علاوہ ازیں ذہن سازی، اعلیٰ فکر سازی، انسان سازی ومعاشرہ سازی کی نہایت ضرورت ہے۔

کربلا ایک انقلاب ہے۔ ہر میدان وعمل میں انقلاب برپا کرنا ہوگا، پہلے خود میں پھر قوم وملت میں۔ عملی نمونہ پیش کریں۔

آج دنیا میں ظلم وستم و بربریت کا غلبہ ہے ایسی صورت حال میں امام حسینؑ کی سیرت کو اپنی شعار زندگی بنانا ہوگی۔ جیسے معرفت خداوندی، شریعت محمدؐ، اخلاقی اقدار کی بحالی، دنیا پر دیں کی حکمرانی، ملوکیت کی نیست ونابودی، انسانیت کی برتری، پاکیزگیٔ نفس، امر بالمعروف ونہیں عن المنکر، عصمتِ فکر ونظر، احقاق اور ابطال باطل، جذبہ حریت کی بیداری، ایثار، صبر و خداری، دنیا میں محبت وآشتی، رنگ ونسل وعلاقائیت و فرقہ واریت کی نفی، سچے اصول کی فتح، مظلوموں کی دادرسی، جہل پر علم کی حکمرانی، نفس پر عقل کو ہادی قرار دینا، استبداد، شاہی نظام، آمریت و اشتراکیت، سامراجی، صیہونی اور استعماری قوتوں کے خاتمہ کے لیے حسینی اور کربلائی کا مجسمہ بننا لازمی ہے۔

گھر دیا حسین نے، سر دیا حسین نے
جو کوئی نہ کر سکا وہ کر دیا حسین نے
جس کے سامنے کوئی نہیں رہا حواس میں
ایسی جنگ تو علی نہیں لڑے تھے پیاس میں
خود نہیں یہ کہہ رہے ہیں تھے علی حسین ہے
زندگی حسین ہے، بندگی حسین ہے

یا مجیب الداعوات! اس محرم کا ہدف مثالی، معاشرہ میں مثبت تبدیلی، کردار ساز اور تاریخی قرار پائے!

سلام

احمد سجاد لکھنوی

مجھے نہ خواہشِ دنیا نہ حرص زر کوئی
گدائے شاہ ہوں مجھ سا ہے تاجور کوئی
حیات حرؑ کو ملی پاگیا پسر کوئی
درِ حسینؑ سے خالی گیا بشر کوئی
درِ حسینؑ سے دنیا جو لو لگا لیتی
قسم خدا کی بھٹکتا نہ در بدر کوئی
چراغ گل کیے بیعت اُٹھائی سرورؑ نے
گیا نہ شمع کو پروانہ چھوڑ کر کوئی
اُدھر سے پیاسوں کی جانب تو آئے ہیں سیراب
اِدھر سے تشنہ دہن کب گیا اُدھر کوئی
طلب کی مہلت شب شہہؑ نے اس لئے شاید
عدو کی فوج میں ہے صاحبِ نظر کوئی
وہ ایک قافلہ ناصرانِ سرورؑ ہے
کہ جس میں مر کے بھی بچھڑا نہ ہمسفر کوئی
حسینؑ گزر رہے ہیں جس امتحاں کی منزل سے
بتاؤ ٹھہرا ہے اس جا پہ راہبر کوئی
ہوا تھا غنچہ دہن خلق کربلا کے لئے
وگرنہ ہنستا ہے بچہ بھی ظلم پر کوئی
سرِ بُریدہ نے جب سے دیا پیامِ بقا
نہ دیکھا پھر سرِ نیزہ کسی نے سر کوئی
حسینؑ لائے تھے زینبؑ کو اس لئے ہمراہ
رہے نہ شہہؑ کی شہادت سے بے خبر کوئی
تم اس طرح سے بپا مجلس حسینؑ کرو
شریک ہو غم سرورؑ میں آکے ہر کوئی
شکست ہوگئی ظالم کو اُس گھڑی سجاؔد
عدو کی فوج سے جب آگیا اِدھر کوئی

☆......☆......☆

سلام

محمد وصی اختر معروفی

درِ حسینؑ پہ سر کو جھکا دیا ہم نے
جناں کا راستہ اِس دَر سے پا لیا ہم نے
پیامِ حضرتِ شبیرؑ نشر کرنا ہے
صفِ عزا کو ہر اک جا بچھا دیا ہم نے
درِ حسینؑ پہ سر کو جھکا کے حرؑ نے کہا
خدا کا شکر ہے ایماں بچا لیا ہم نے
بیانِ حضرتِ شبیرؑ چھیڑ کر لوگو
اندھیری راہ میں روشن کیا دِیا ہم نے
غمِ حسینؑ کی تاثیر دیکھ لے دنیا
امام باڑہ دلوں بنا لیا ہم نے
سلام کرنے وفا کے امام کو ہر دن
علم جری کا لگایا ہے جابجا ہم نے
عروج پاتا ہے رومالِ سیدہؑ کے طفیل
جو اشک شاہؑ کے غم میں بہا دیا ہم نے
نجات پائیں گے دنیا سنور بھی جائے گی
غمِ حسینؑ کو دل سے لگا لیا ہم نے
کتاب چھوڑی نہ تو اہل بیتؑ کا دامن
یہی تو اجرِ رسالت ادا کیا ہم نے
وصیؔ کوئی بھی بلا ہم پہ آ نہیں سکتی
جوارِ پرچمِ عباس پا لیا ہم نے

یوم عاشورہ ایک تاریخی دن

محرم کے مہینے کا دواں دن جس کو عام طور پر عاشورہ کہتے ہیں کچھ ایسی تاریخ خصوصیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک یادگار ان بن گیا ہے۔

آج سے کئی ہزار سال پہلے تاریخ عالم میں اسی روز حق و باطل کی کشمکش کا ایک فیصلہ ہوا۔ مصر کی متمدن سرزمین میں شاہ وقت فرعون نے پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو غلام اور ذلیل بنا رکھا تھا ان سے سخت بے گار لیتا تھا اور ان کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتا تھا ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی اور مساویانہ شہری حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ آنے والے زمانے کے ایک خطرے کی بناء پر اس نے ان بچوں کو ذبح کر ڈالنے کا حکم دے رکھا تھا وہ خود خدائی دعویدار تھا اور اس کی سرزمین پر خدا ترسی کی زندگی گذارنا مشکل ہوگیا تھا پوری کی پوری قوم اس کے پنجہ غضب میں گرفتار تھی قرآن مجید نے اس صورتحال کی تصویر کھینچ دی ہے۔

ان فرعون علافی الارض وجعل اھلھا شیعایستضعف طائفة منھم بذبح ابناء ھم ویستحی نساھم انه کان من المفسدین۔

"بیشک فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف طبقے کر رکھا تھا ان میں سے ایک جماعت (بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا اور ان کی عورتوں (لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ واقعی وہ بڑا مفسد تھا۔"

ایسی حالت میں جب ہر طرف مایوسی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی بنی اسرائیل کا کوئی مستقبل نہیں معلوم ہوتا تھا ان کی آئندہ نسلوں کی قسمت پر مہر لگی ہوئی تھی۔ ان کے یہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا معلوم ہوتا کہ فرعون اور اس کی قوم کی غلامی اور اس کی قوم میں ذلیل و محکوم رہنے کیلئے پیدا ہوا ہے۔ آس پاس کوئی ایسی سلطنت نہ تھی جو اس بدقسمت اور مظلوم قوم کی حمایت کرتی مایوسی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک پر جلال آواز اعلان کرتی ہے۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمة ونجعلھم الوارثین۔

"اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو کمزور کیا گیا۔ زمین میں ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو (ملک کا) مالک بنائیں۔"

پھر کیا ہوا؟ ہر طرح کے اندازے اور قیاس کے خلاف حالات اور واقعات کے بالکل برعکس پیغمبر وقت حضرت موسیٰ کو اشارہ غیبی ہوتا ہے کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو راتوں رات مصرف سے نکال کر لے جائیں اور نجات کی سرزمین (فلسطین) جانے کیلئے خشکی کی ایک تنگ سی پٹی تھی جو افریقہ کو ایشیا سے ملاتی ہے عام طور پر فلسطین جانے کا یہی راستہ تھی۔ لیکن اللہ کو یہی منظور تھا۔ حضرت موسیٰ نے بجائے شمال کی طرف جانے کے مشرق کی طرف کا راستہ اختیار کیا۔ جب صبح کا تڑکا ہوا تو انہوں نے اچانک دیکھا کہ وہ بحر قلزم (بحر احمر) کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں ادھر کسی کی نظر پیچھے کی طرف اٹھی تو دیکھا کہ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ سر پر پہنچ گیا ہے بنی اسرائیل اس منظر کو دیکھ کر کہ سامنے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کا غضبناک لشکر، چیخ اٹھے کہ ہم تو پکڑ لئے گئے۔ لیکن موسیٰ کو اللہ کے وعدے پر بھروسہ اور اپنی قوم کی نجات کا یقین تھا۔

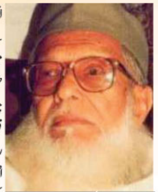

علامہ سید ابوالحسن علی ندوی حسنی

انہوں نے پیغمبرانہ اطمینان اور یقین سے کہا، 'ایسا کیسے ہوسکتا ہے بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھ کو ضرور پار لگائے گا'۔

چنانچہ انہوں نے سمندر میں قدم رکھا قدرت خداوندی سے ایک خشک راستہ بن گیا جس پر وہ آرام و اطمینان سے چل کر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے جو فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔ فرعون نے یہ دیکھ کر کہ ایک ہموار راستہ ہے اور بنی اسرائیل اس پر سے گذرے ہیں اپنے لشکر کے گھوڑے ڈال دیئے غضبناک سمندر نے جس کو صرف بنی اسرائیل کو راستہ دینے کا حکم تھا فرعون اور اس کے لشکر کو اپنے بھنور میں لے لیا اور اپنے وقت کا عظیم ترین فرمانروا جس کو خدائی کا دعویٰ تھا اور اس کی بہترین فوج سمندر کا لقمہ بن گئی اسرائیل اس عظیم الشانی سلطنت کے وارث بنے جس میں انہوں نے سیکڑوں برس غلامی کی تھی اور جس میں آزادی اور بادشاہی کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔

"ہم نے ان لوگوں کو جو بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اس سرزمین کے پورب پچھم کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا۔ اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا۔"

یہ واقعہ اسی "مبارک" دن میں پیش آیا بنی اسرائیل نے قدرتی طور پر اس دن کو ایک قومی جشن کا دنی بنالیا۔ وہ اس دن شکرانے روزہ رکھتے تھے اور اپنی مسرت و تشکر کا اظہار کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم ہجرت کرکے جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں دریافت فرمایا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ عرض کیا گیا آج ہی کے روز اللہ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی اس کے شکرانے میں روزہ رکھا جاتا ہے۔ فرمایا موسیٰ تو یہودیوں سے زیادہ ہمارے ہیں۔ ہم کو شکر ادا کرنے کا زیادہ حق ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی اس دن کا روزہ رکھنے میں یہودیوں سے مشابہت تھی اس لئے آپ نے فرمایا۔ اگر زندگی رہی تو اگلے سال میں نویں تاریخ کا روزہ بھی ملالوں گا۔ لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور آپ رفیق اعلیٰ سے جاملے۔

اسلامی نقطہ نظر سے یوم عاشورہ کی یہی اہمیت اور حیثیت ہے کہ وہ ایک پیغمبر اولوالعزم کی کامیابی اور نجات کا دن ہے اور اس میں اظہار تشکر کیلئے روزہ مستحب اور مسنون ہے۔ لیکن اسی دسویں تاریخ کو اسلام میں ایک افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ جس نے اس دن کو عبرت اور موعظت کا دن بنایا۔ 60 ہجری میں نواسہ رسول سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے حکومت بنی اُمیہ اور اس کے سربراہ یزید بن معاویہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی اس حکومت نے خلافت راشدہ کے بجائے عجمی ملوکیت کا رنگ اختیار کرلیا تھا۔ اس کے اندر سے زہد و تشقف اور خدمت و ایثار کی وہ روح نکل گئی تھی جو اسلامی حکومت کا تمغہ امتیاز اور خلافت نبوت کا شعار ہے اس کی جگہ عیش و عشرت نفس پروری اسراف و فضول خرچی نے لے لی۔ مسلمانوں کا بیت المال خزانہ اور شرف خاص کا محکمہ بن گیا تھا۔ یزید کے اخلاق و عادات خلفائے راشدین کی سیرت و زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ ایک خوس باش اور عیش پسند نوجوان بادشاہ تھا۔ خلافت کا نہایت بیش قیمت اور موثر ادارہ نااہلوں کے ہاتھوں میں پڑ کر ذلیل اور ضائع ہو رہا تھا اور اسلام میں آزادانہ بادشاہی کی ایک بری طرح نظیر قائم ہو رہی تھی۔ سیدنا حسین رضی اللہ نے اس صورت حال کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ انہوں نے یزید کی خلافت کا انکار کرکے ظاہر کیا کہ وہ اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے کہ ہر قوت قابل تعظیم و تقدیس ہے اور ہر غلط و صحیح نظام کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے اپنے طرز عمل سے اپنے جد امجد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کی توثیق کی۔

لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق

"خالق کی نافرمانی کرکے کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔"

حکومت وقت نے خطرے کا پورا احساس کیا حضرت حسین جیسے سردار کی مخالفت اور اعلان جنگ معمولی بات نہ تھی چنانچہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کیلئے ایک بڑی فوجی طاقت روانہ کی گئی۔ کربلا کے میدان میں ان دونوں جماعتوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے گنتی کے ساتھیوں اور اہل خاندان کے ساتھ تھے۔ ان کو جن لوگوں نے بلایا تھا اور ان سے وفاداری اور رفاقت کا وعدہ کیا تھا وہ ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

دوسری طرف ایک تازہ دم کثیر التعداد مسلح فوج تھی اس موقع پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جس استقامت و شجاعت اور جس بلند حوصلگی عالی ہمتی کا ثبوت دیا وہ ہر طرح سے اہل بیت کے شایان شان تھی اور اس نے ان کو دنیا کے ان ممتاز شہسواروں میں شامل کر دیا ہے جو اپنے مقصد اور عقیدے کی خاطر نتائج سے بے پرواہ ہو کر جان دے دیتے ہیں۔

من المومنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله

"ان ایمان والوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت سے سرخرو کیا قوت نے کمزوری پر اور کثرت نے قلت پر عارضی فتح حاصل کرلی۔ جرات اخلاقی عظمت اور مردانہ عزم و ہمت کا نقش تاریخ کی پیشانی پر کندہ ہوگیا۔ انہوں نے غلط حکمراں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور مخالفت حالات کے سامنے سپر ڈالنے سے انکار کرکے اسلام میں ایک نہایت صحیح اور ضروری نظیر قائم کردی جو صدیوں تک قلوب میں ہم و عزیمت اور تاریکیوں میں روشنی و رہنمائی پیدا کرتی رہے گی۔ اگر یہ نظیر نہ ہوتی تو تاریخ اسلام میں ایک خلا اور داغ رہ جاتا جس کا مٹانا آسان نہ تھا۔

تاریخ کے یہ دونوں واقعات ایمان و یقین و ہمت و جراءت کا سبق دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ خدا کے مقبول اور صاحب یقین بندے کس طرح خدا کے وعدوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور کس طرح اپنے تجربوں اور مشاہدوں کو غیبی اطلاعات اور خدائی احکام پر قربان کرتے ہیں اور کس طرح نتائج سے آنکھیں بند کرکے سمندر کی موجوں اور جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود پڑتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ☆ عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

☆☆☆

امام حسین علیہ السلام کا حق وحریت کی راہ میں جہاد

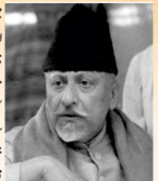

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

1- سب سے پہلا نمونہ جو حادثہ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے، دعوت الٰہی الحق اور حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔ بنی اُمیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو، کبھی اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہٗ اجماع اُمت کی جگہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصد سیاسیہ، ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔ حضرت سید الشہدا نے اپنی قربانی کی مثال قائم کرکے مظالم بنی اُمیہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

ظالم و جابر حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو

پس یہ نمونہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت و اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام مستبدہ جائزہ کی بنیاد، صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم ہو۔

2- مقابلہ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے پاس قوت و شوکت مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے۔ کیونکہ حسین بن علیؑ کے ساتھ چند ضعفا و مساکین کی جمیعت قبیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق صداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پرواہ ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں۔ یہ اس قوت قارہ عادلہ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدان انصار کے کامیاب کرتی ہے۔

کم من فئة قليلة غلبت فئة كئيوة باذن اللهط

مصلحت اندیشی کے بھیس میں شیطان

ایسے مواقع پر ہمیشہ مصلحت اندیشیوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے جو اگرچہ فی نفسہ عقل و دانائی کا ایک فرشتہ ہے، لیکن کبھی کبھی شیطان رجیم اس کے بھیس میں مکر کام کرنے لگتا ہے نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل؟ توپ و تفنگ اور تخت و سلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں۔

آخری سوال کا جواب میں دے سکتا ہوں۔ تاریخ عالم کی صدہا مثال مقدسہ و محترمہ جہاد سے قطع نظر تمہارے سامنے اور خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے۔ تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور ساز و سامان کا مقابلہ کب کیا ہے کہ کبھی بھی کیا جائے؟ میں کہتا ہوں کہ حسین بن علی نے صرف 72 یا 62 بھوکے پیاسے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہرے جابر کا مقابلہ کیا جس کے حدود سلطنت ملتان اور سرحد فرانس تک پھیلنے والے تھے اور گو یہ سچ ہے اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک و پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا اور پھر ایک ایک کرکے ان میں سے ہر وجود مقدس خاک و خون میں تڑپا اور جاں بحق تسلیم ہوا، اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کا پانی چھین سکا اور نہ زندہ رہنے کیلئے اپنی غذا حاصل کرسکا اور اس میں شک نہیں کہ بالآخر سر سے لے کر پیر تک زخموں سے چور ہوا، اس خلعت شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہوکر تیار ہوا تا کہ اس کے کرشمہ ساز عجائب کے حریم وصال میں پہنچے جو دوستوں کو خاک و خون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

اریدوصالہ، ویرید قتلی!

ظالم و جابر حکومت کا انجام

تاہم فتح اس کی تھی اور فیروز مندی و کامرانی کا تاج صرف اس کے زخم خوردہ سر پر رکھا جاچکا تھا، وہ تڑپا اور خاک و خون میں لوٹا، پر اس خون کے ایک ایک قطرہ نے جو عالم اضطراب میں اس کے زخموں سے ریگ و سنگ پر بہا تھا، انقلاب و تغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دیئے، جن کو نہ مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی نہ حجاج کی بے اماں خونخواری اور نہ عبدالملک کی تدبیر و سیاست، وہ بڑھتے اور بڑھتے ہی رہے۔ ظلم و جبر کا پانی تیل بن کران کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا اور حکومت و تسلط کا غرور ہوا بن کران کی ایک ایک چنگاری کو آتش کدہ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آ [illegible] کچھ 62 ہجری میں کربلا کے اندر ہوا تھا، وہ سب کچھ 132 ہجری میں نہ [illegible]، بلکہ تمام عالم اسلامی کے اندر ہوا، صاحبان تاج و تخت خاک و خون میں تڑپے، ان کی لاشیں، گھوڑوں کے سموں سے پامال کی گئیں، فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا اور اس طرح **وسیعلم الذین ظلموا آیٔ منقلب ینقلبون** کا پورا ظہور ہواؐ۔

پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا وہ محض ابراہیم عباسی کی دعوت اور ابو مسلم خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا ہی نتیجہ تھا؟ کیا یہ اسی خون کا اعجاز نہ تھا جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا؟ پھر یہ فتح مندی تو ظاہر ہے جس کے نتائج کیلئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا اور نہ فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے، اسی وقت اپنی معنوی فتح مندی حاصل کرتا ہے۔

ظلم کا صاحب عظمت ہونا الٰہی سند نہیں

3- بہرحال یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ لیکن حضرت سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو۔ اگر ظالم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور اسے ہونا بھی چاہئے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر مؤثر نہیں ہوسکتا اور ظلم کا صحب شوکت و عظمت ہونا اس کے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت ہی کرلی جائے ظالم خواہ ضعیف ہو خواہ قوی ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ظالم ہے اور حق و سداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

4- حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائش زہرہ گداز اور شکیب رُبا ہیں قدم قدم پر حفظ جان و ناموس اور محبت فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں لیکن یہ اُسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزمالیں نہ کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

جرم راایں جاعقوبت است استغفار نیست

اس قتیل جادۂ حق و صداقت کے چاروں طرف جو کچھ تھا اس کا اعادہ ضروری نہیں کہ سب کو معلوم ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے بیان کئے ہیں۔

ولنبلونکم بشی ء من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس و لثمرات و بشر الصابرین۔ الذی اذا اصابقھم مصیبة قالوآ انا لله و انا الیه راجعون (سورة بقره آیت 156----/155)

نقصان مال و جان اور ہلاکت اولاد اقارب میں مبتلا کرکے تمہارے صبر و استقامت کو آزمائے گا۔ پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے ان کیلئے جن کے ثبات و استقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے معاملات کو یہ کہہ کر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ

ان لله و انا الیه راجعون

نفس کی مرضی پر خدا کی مرضی کو ترجیح

خوف و ہراس بھوک اور پیاس، نقصان اموال و متاع قتل نفس و اولاد یہی چیزیں انسان کیلئے دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہوسکتی ہیں۔ اس لئے ان ہی چیزوں کو راہ الٰہی کیلئے آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ لیکن مظلوم کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کرکے موجود تھے۔ وہ ان تمام مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پاکر آرام و راحت اور شوکت و عظمت حاصل کرسکتا تھا۔ اگر حکومت ظالمہ کی وفاداری و اطاعت وقت کی تاویل پر عمل کرتا پر اس نے خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی اور حق کا عشق زندگی کی محبتوں پر غالب آگیا۔ اس نے اپنا سر دے دیا کہ انسان کے پاس حق کیلئے یہی ایک آخری متاع ہے اطاعت و اقراری کا ہاتھ نہ دیا جو صرف حق و عدالت ہی کے آگے بڑھ سکتا تھا۔

جہاد حق میں صبر و استقامت

5- سب سے بڑے اسوۂ حسنہ کے اس حادثہ عظیمہ کی لسان حال اس کی ترجمانی کرتی ہے، راہ مصائب و جہاد حق میں صبر و استقامت اور عزم ثبات ہے کہ **ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا**، دوسری جگہ کہا ہے: **فاستقم کما امر! ولله در ماقال۔**

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ آنجا کہ بطہ ہائے ید اللہ می زند

فی الحقیقت اس شہادت عظیمہ کی سب بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے تمام عزیز و اقارب، اہل و عیال اور فرزند و احباب کے ساتھ دشت غربت و مصائب میں محصور اعدا ہونا، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدت عطش و جوع میں آہ و فغاں کرتے ہوئے دیکھنا، پھر ان میں سے ایک ایک کی خون آلودہ لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا، حتیٰ کہ اپنے طفل شیر خوار کو بھی تیز ظلم و بربریت سے نخچیر پانا مگر بایں ہمہ راہ عشق دقیقہ کیلئے بھی متزلزل نہ ہونا اور حق کی راہ میں جس قدر مصائب و اندوہ پیش آئیں سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا صبر و استقامت ہے۔

شاہم خاک ولیکن ببوئے تربت ما
تواں شناخت گزیں خاک مردی خیزد

(شہیداعظم سے ماخوذ ہے)

عزاداری امام حسینؑ کی غیر معمولی اہمیت

شہید رہبر امت کی تقریروں سے منتخب جملے

(1) حسین بن علی (علیہ السلام) کی زندگی میں ایک نمایاں نقطہ، جو [پہاڑ کی] اس چوٹی کی طرح جو اردگرد کے تمام دامنوں کو متاثر کردیتی ہے پایا جاتا ہے اور یہ چوٹی عاشورا" ہے۔(26 جنوری 1993ع)

(2)۔ یقیناً دوسرے اسلامی معاشروں کی نسبت شیعیان اہل بیت(ع) کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ عاشورا کی یاد حافظے میں محفوظ ہے۔(7 جون 1994ع)

(3)۔بڑی نعمتوں میں سے سب سے بڑی ایک نعمت، حسین بن علی (علیہ السلام) کی یاد کی نعمت ہے، یعنی مجالس عزا کی نعمت، محرم کی نعمت اور عاشورا کی نعمت، جو ہمارے شیعہ معاشروں کے لئے مختص ہے"۔(7 جون 1994ع)

(4)۔[شیعہ] مجالس عزاداری کی قدر و قیمت کو جان لیں، ان مجالس سے فیض یاب ہوجائیں، اور روحاً اور قلباً ان مجالس کو امام حسین (علیہ السلام)، خاندان رسالت اور اسلام وقرآن کی روح کے ساتھ مضبوط رابطہ اور اتصال وتعلق قائم کرنے کا ذریعہ بنادیں۔(7 جون 1994ع)

(5)۔ [مبلغین، خطباء اور ذاکرین] محرم کے مہینے میں حسینی معارف اور علوی تعلیمات جو درحقیقت بنیادی اور صحیح قرآنی اور اسلامی تعلیمات ہیں انہیں لوگوں کے لئے بیان کریں۔(16 جون 1993ع)

(6)۔اگر مصائب پڑھنے کے لئے مرحوم محدث شیخ عباس قمی کی کتاب "نَفَسُ المهموم" کو کھول کر زبانی پڑھ کر سنایا جائے تو یہ سننے والے کے لئے گریہ وبکاء کا سبب بنتا ہے، اور وہی ابلتے جذبات کو معرض وجود میں لاتا ہے؛ تو کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنے بزعم مجلس آرائی کے لئے ایسے اقدامات کریں کہ جس کے سبب مجلس عزا اپنے حقیقی فلسفے سے دور رہ جائے۔(7 جون 1994ع)

(7)۔جب ہم [مجلس میں] اشعار پڑھتے ہیں تو اطمینان حاصل کریں کہ یہ اشعار ہمارے سننے اور دیکھنے والوں کے ایمان میں اضافے کا باعث بنیں گے۔ چنانچہ ہم ہر قسم کے اشعار نہیں پڑھتے، ہر قسم کے اشعار اور ہر طرز کا انتخاب نہیں کرتے؛ بلکہ اس طرح سے پڑھتے ہیں کہ لفظ، معنی اور لئے [مل کر] اثر گذار ہوں کس چیز پر؟ ہمارے سننے والوں کے ایمان پر۔(5 جولائی 2007ع)

(8)۔بعض اُمور ایسے ہیں جن کا اہتمام لوگوں کو خدا اور دین خدا سے قریب کردیتا ہے۔ان امور میں سے ایک یہی روایتی عزاداریاں ہیں، جو دین سے لوگوں کی زیادہ قربت کا باعث بنتی ہیں، یہ جو امام خمینی (رضوان اللہ تعالی علیہ) نے فرمایا کہ روایتی عزاداری کی پابندی کرو، اسی تقرب میں اضافے کے لئے تھا تھا۔ مجلس عزا میں بیٹھنا، روضہ خوانی کرنا اور مجلس پڑھنا، گریہ وبکاء کرنا، سروسینہ پیٹنا اور عزا کے جلوسوں اور موکبوں کا اہتمام کرنا، اُن امور میں سے ہیں جو عمومی جذبات کو خاندان رسالت سے نسبت کے سبب انہیں ولولہ انگیز بنادیتے ہیں، اور یہ بہت اچھی بات ہے۔ (7 جون 1994ع)

(9)۔ضروری ہے کہ میں ان تمام بھائیوں اور بہنوں کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے ۔عزاداری کے ایام میں مجالس عزا اور عزاداری کے مراسم بالخصوص ظہر عاشورا کو نماز باجماعت کا اہتمام کیا اور خاندان رسالت سے عقیدت کا اظہار کیا اور ان ایام کی تکریم وتعظیم کا اہتمام کیا۔(8 مئی 1998ع)

(10)۔اگر کچھ لوگ اپنی جان کے تحفظ کے لئے راہ خدا (سبیل اللہ) کو ترک کریں، اور جہاں انہیں حق کہنا چاہئے لیکن حق بولنے سے گریز کریں، اس لئے کہ ممکن ہے ان کی جانوں کو خطرہ لاحق ہو، یا اپنے منصب اور عہدے یا روزگار اور مال و دولت کی خاطر یا اولاد، اعزہ واقارب اور دوستوں کی محبت میں اللہ کے راستے کو چھوڑ جائیں، تو یہ وہی زمانہ قرار پائے گا کہ جب امام حسینؑ قتل گاہ کی طرف جانے پر مجبور ہوئے تھے پھر بھی بالآخر جان بچانے والے بچ نہیں پائیں گے۔ (31 اگست 2017ع)

(11)۔امت اسلامیہ اور مسلمانان عالم کبھی بھی یہ بات نظر سے دور نہ رکھیں کہ عاشورا کا واقعہ ایک درس، ایک سبق، ایک عبرت اور ایک پرچم ہدایت ہے۔یقینی امر ہے کہ اسلام عاشورا اور حسین بن علی (علیہ السلام) کی وجہ سے زندہ ہے۔(21 نومبر 2012ع)

(12)۔اگر حسین بن علی (علیہ السلام) کی عظیم قربانی نہ ہوتی، جس قربانی نے تاریخ کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر مکمل طور پر بیدار کیا تو اسی پہلی صدی ہجری میں یا پھر دوسری صدی ہجری کے نصف اول میں، اسلام کی بساط سمٹ جاتی۔(16 جون 1993ع)

(13)۔کربلا میں امام حسین (علیہ الصلاۃ والسلام) کا کام ویسا ہی ہے جیسا کہ بعثت کے وقت، آپ کے جد مطہر حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انجام دیا تھا۔جس طرح کہ وہاں [بعثت کے وقت] پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تن تنہا، ایک زمانہ کا سامنا تھا، امام حسین (علیہ السلام) کو بھی کربلا کے واقعے میں، تن تنہا ایک زمانے کا سامنا تھا۔(14 دسمبر 1996ع)

(14)۔عبرت یہ ہے کہ انسان نظر دوڑائے اور دیکھ لے کہ کیا ہوا کہ حسین بن علی (علیہ السلام) وہی چھوٹا سا بچہ جس کی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ) لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تجلیل وتکریم کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "سيّدا شباب أهلِ الجَنَّةِ" جنت کے جوانوں کے سردار۔صرف نصف صدی گذرنے کے بعد ان کو المناک انداز سے قتل کیا گیا!(5 جنوری 1995ع)

(15)۔امام حسینؑ کو صرف روز عاشورا کی جنگ کے واسطے سے ہی نہیں پہچاننا چاہئے؛ یہ حسینی جہاد کا صرف ایک حصہ ہے۔آپ کی شخصیت و کردار کی تشریح، آپ کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تشریح، منٰی اور عرفات میں، ہی آپ سے متعلق مختلف مسائل کی تشریح علمائے اسلام سے خطاب، دانشوروں سے خطاب وغیرہ؛ آنجناب سے ان مقامات پر بہت عمدہ بیانات منقول ہیں، جو کتابوں میں ضبط وثبت ہوئے ہیں بعدازاں مکہ سے کربلا کی سمت سفر کے دوران، کربلا میں اور میدان کربلا میں، ان تمام کو جاننا اور پہچاننا چاہئے [امام حسین علیہ السلام کی پہچان کے لئے]۔(27 جولائی 2009ع)

(بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

عزاداری کا وقار اور نوحہ خوانی کا فطری انداز

سید کرامت حسین شعور جعفری

نوحہ خوانی اہلِ بیت علیہم السلام کی عزاداری کا ایک اہم اور مؤثر ذریعہ ہے۔اس کا مقصد سامعین کے دلوں میں مصائبِ کربلا کی یاد تازہ کرنا، اہلِ بیت علیہم السلام سے محبت کو فروغ دینا اور مظلومیتِ امام حسین علیہ السلام کا پیغام پہنچانا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نوحہ خوانی میں الفاظ سے زیادہ اخلاص، درد اور سوز کی اہمیت ہوتی ہے۔جب آواز دل سے نکلتی ہے تو وہ سیدھی دلوں تک پہنچتی ہے، لیکن جب اس میں تصنع اور غیر فطری انداز شامل ہوجائے تو اس کی تاثیر کم ہونے لگتی ہے۔

ادب واحترام کے ساتھ عرض ہے کہ بعض نوحہ خواں حضرات جذبات کے اظہار میں اس قدر مبالغہ آرائی، مصنوعی انداز اور غیر فطری حرکات کا سہارا لیتے ہیں کہ نوحہ خوانی کا تقدس اور وقار متاثر ہونے لگتا ہے۔چہرے کے بے جا اور حد سے بڑھے ہوئے تاثرات، منہ کو غیر معمولی انداز میں بگاڑنا، آواز میں غیر ضروری اتار چڑھاؤ پیدا کرنا اور رونے کی مصنوعی کیفیت طاری کرنے کی کوشش بعض اوقات سامعین کے دل میں تاثر پیدا کرنے کے بجائے الٹا ناگواری اور بے ذوقی کا احساس پیدا کردیتی ہے۔

بعض مواقع پر یہ انداز اس قدر حد سے تجاوز کر جاتا ہے کہ سامع کا ذہن مصیبتِ کربلا سے ہٹ کر نوحہ خواں کی حرکات وسکنات پر مرکوز ہوجاتا ہے۔یوں مقصدِ عزاداری پس منظر میں چلا جاتا ہے اور اندازِ پیشکش موضوعِ گفتگو بن جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا انسان اپنے والدین، اولاد یا کسی انتہائی عزیز شخصیت کے انتقال پر بھی اسی طرح چہرے کو بگاڑ بگاڑ کر، مصنوعی انداز میں حرکات کرتے ہوئے یا رونے کی کوشش کرتے ہوئے غم کا اظہار کرتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ سچا غم انسان کے دل پر اثرانداز ہوتا ہے، اس کے آنسوؤں میں جھلکتا ہے اور اس کے لہجے میں محسوس ہوتا ہے، نہ کہ چہرے کی بناوٹ اور ظاہری اداکاری میں۔ جتنا بڑا غم ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ انسان سنجیدہ، خاموش اور باوقار دکھائی دیتا ہے۔

غمِ امام حسین علیہ السلام کسی ڈرامے، تھیٹر یا اسٹیج پرفارمنس کا نام نہیں بلکہ ایک عظیم روحانی اور فکری وابستگی کا اظہار ہے۔اس عظیم مصیبت کو مصنوعی حرکات، غیر فطری انداز اور جذباتی نمائش کا محتاج بنانا نہ صرف اس کی معنویت کو کم کرتا ہے بلکہ بعض اوقات عزاداری کے مخالفین کے لیے بھی اعتراض کا موقع فراہم کرتا ہے۔نوحہ خوانی کا حسن سادگی میں ہے، اس کی طاقت صداقت میں ہے اور اس کی تاثیر اخلاص میں ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ نوحہ خواں حضرات اپنی تمام تر توجہ آواز کے سوز، اشعار کے مفہوم اور مصائبِ اہلِ بیت علیہم السلام کی صحیح ترجمانی پر مرکوز کریں۔ جب دل میں درد ہوگا تو آنکھیں خود نم ہوں گی، لہجہ خود لرزے گا اور سامعین کے دل خود متاثر ہوں گے۔لیکن اگر جذبات پیدا کرنے کے لیے مصنوعی ذرائع اختیار کیے جائیں تو بسا اوقات نتیجہ الٹا نکلتا ہے اور سامعین کے دلوں میں عقیدت کے بجائے ناگواری پیدا ہونے لگتی ہے۔

اہلِ بیت علیہم السلام کی عزاداری وقار، سنجیدگی، اخلاص اور سچائی کا نام ہے۔اس کی خوبصورتی اسی میں ہے کہ اسے فطری انداز میں پیش کیا جائے، کیونکہ دل سے نکلنے والی ایک سچی آہ اور ایک بے ساختہ آنسو، ہزار مصنوعی تاثرات اور بناوٹی حرکات سے کہیں زیادہ اثر رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ننھا مجاہد علی اصغرؑ کا جہاد

مولانا عبداللہ ظفرآبادی واعظ

معرکہء کربلا تاریخ انسانی کا وہ منفرد اور بے مثال واقعہ ہے جہاں عزم و استقلال، ایثار او رقربانی کی ایسی داستانیں رقم ہوئیں جن کی نظیر کائنات پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ اس عظیم جہاد میں جہاں بوڑھے، جوان پیش پیش نظر آتے ہیں تو وہیں ایک ایسا مجاہد بھی شامل ہے جس نے تلوار اٹھائے بغیر، زبان سے ایک لفظ بولے بغیر یزیدی سلطنت کے ظلم وجور کے پردے چاک کردئے ۔ وہ مجاہد حضرت امام حسین علیہ السلام کے چھ ماہ کے فرزند حضرت علی اصغر علیہ السلام ہیں۔

• ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کی عصر کا وقت تھا امام حسین علیہ السلام کے تمام اصحاب و انصار اور بنی ہاشم کے جوان شہید ہو چکے تھے تو امام حسین علیہ السلام نے آواز استغاثہ بلند فرمایا ”ھل من ناصر ینصرنا“ اس صدا کو سن کر جناب علی اصغر علیہ السلام نے اپنے کو جھولے سے گرادیا تھا اور کسی کی گود میں بھی نہیں آرہے تھے جس کی وجہ سے خیموں میں گریہ کی آواز بلند ہوئی تو امام حسین علیہ السلام خیمہ کے پاس آئے اور سبب گریہ دریافت کیا اور امام حسین علیہ السلام نے بڑھ کر علی اصغر علیہ السلام کو اپنی آغوش میں لیا اور مقتل کی جانب روانہ ہوئے۔

میدان میں پہنچ کر آپ نے قوم اشقیاء کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو میں اپنے ششماہے بچہ کو پانی پلانے کے لئے لایا ہوں اس کی ماں کا دودھ خشک ہوگیا ہے اور اس کی زبان سوکھ گئی ہے خدا را اسے پانی پلا کر اس کی جان بچالو اور سنو اگر میں تمہارے زعم ناقص میں گناہگار ہوسکتا ہوں تو میرے اس معصوم بچے میں گناہ کی صلاحیت نہیں ہے یہ تو بے خطا ہے ۔ امام کا یہ کلام سن کر یزیدی لشکر میں ایک کہرام مچ گیا فوج کے دل پگھلنے لگے اور آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ اس معصوم کو پانی دے دینا چاہئے جب پسر سعد نے دیکھا کہ فوج کا رخ بدل رہا ہے اور امام حسین علیہ السلام کی گفتگو کا اثر ہورہا ہے تو اس نے اپنے سب سے زیادہ بے رحم تیرانداز حرملہ بن کاہل کو حکم دیا کہ اقطع كلام الحسين حسین علیہ السلام کے کلام کو قطع کردے۔

حرملہ نے تین بھال والا زہر آلود تیر کمان میں جوڑا وہ تیر جو عام طور سے جنگی گھوڑوں یا اونٹوں کے گرانے کے لئے استعمال ہوتا تھا اس ننھے سے بچے حضرت علی اصغر علیہ السلام کو نشانہ بنا کر چھوڑ دیا ۔تیر جناب علی اصغر علیہ السلام کے ساتھ ساتھ امام حسین علیہ السلام کا بازو بھی چھید دیا۔امام حسین نے جناب علی اصغر کو سینے سے لگا کر ان کے خون سے چلو بھر لیا اور چاہا کہ آسمان کی طرف پھینکیں لیکن غیب سے آواز آئی یہ خون ناحق ہے اسے اس طرف نہ پھینکئے گا ورنہ قیامت تک کے لئے بارش کا سلسلہ بند ہو جائے گا آپ نے چاہا کہ اسے زمین کی طرف ہی پھینک دیں زمین سے آواز آئی اگر اس خون ناحق کا ایک قطرہ بھی زمیں پر گرا تو قیامت تک کوئی چیز پیدا نہ ہوگی

انکار آسماں کو ہے راضی زمیں نہیں
اصغر تمہارے خوں کا ٹھکانہ کہیں نہیں

تو آپ نے خون ناحق کو اپنے چہرہ مبارک پر مل لیا اور فرمایا میں اسی طرح اپنے جد نامدار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کروں گا۔

آیۃ اللہ ضیاء الملۃ السید وصی محمد نجفی فیض آبادی طاب ثراہ اپنی کتاب الرضیع الظامی پیاسا شیر خوار (طبع اول) کے صفحہ ۲۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

” احتجاج طبرسی میں یوں منقول ہے کہ حسین علیہ السلام لاش علی اصغر علیہ السلام کو آغوش میں لے کر مقتل شہداء میں تشریف لائے ذوالجناح سے اتر کر نوک شمشیر سے ایک چھوٹی سی قبر کھودی اور خون حلق نازنین علی اصغر علیہ السلام سے لے کر تمام بدن پر اس بچہ کے بجائے کفن کے ملا اور نماز جنازہ پڑھی اور اپنے ہاتھ سے اس نور نظر کو دفن کیا اور خاک کو برابر کردیا اور بعد دفن قبر پر اس کی روئے تھے“

ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبیر اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

حضرت علی اصغر علیہ السلام کا جہاد تلوار کا مرہون منت نہیں ہے بلکہ یہ حق اور باطل کا حتمی فیصلہ تھا ان کی شہادت نے اہم ترین حقائق کو رہتی دنیا تک کے لئے واضح کردیا

• ششماہہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت نے ثابت کردیا کہ یزیدی فوج کسی اصول، دین یا انسانیت پر قائم نہیں تھی بلکہ وہ صرف ظلم و بربریت و وحشت کا دوسرا نام تھی

• امام حسین علیہ السلام نے کائنات کے سامنے یہ واضح کردیا کہ وہ کسی اقتدار کی جنگ نہیں لڑ رہے تھے بلکہ دین اسلام کے تحفظ کی جنگ تھی جہاں چھ ماہ کا بچہ بھی قربان کردیا گیا

• جناب علی اصغر علیہ السلام کربلا کے سب سے کمسن شہید ہیں جن کی مظلومانہ شہادت نے کربلا کے پیغام کو ہمیشہ کے لئے زندہ و جاوید بنا دیا اور ان کی شہادت کے بغیر واقعہ کربلا کا تصور بھی نامکمل ہے

7127639705

قربانیٔ امام حسینؑ اور کردارِ جناب زینبؑ

الحاج انجینئر سرفراز حسین غازی آباد

تمہید: قربانیٔ امام حسین علیہ السلام کی داستان عظیم جناب زینب سلام اللہ کے بے مثال کردار، صبر اور شجاعت کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ کربلا میں امام حسین علیہ السلام نے اپنے اور اپنے اقرباء کے خون سے گلشن اسلام کی آبیاری کی تو جناب زینبؑ سلام اللہ علیہا نے اپنی اور اہل خاندان کی اسیری، خطبات اور صبر و استقامت کے ذریعہ اس تحریک کو دوام بخشا اسی لئے آپ کو شریکۃ الحسین کہا جاتا ہے۔

کردار جناب زینبؑ کی ایک جھلک: جناب زینب سلام اللہ علیہا کی سیرت و کردار عزم و استقلال، فصاحت و بلاغت اور صبر عظیم کا وہ روشن مینار ہے جس کی مثال تاریخ انسانی نہیں ملتی، آپ کا کردار محض ایک مظلوم بہن کا نہیں بلکہ ایک ایسی مدبر اور جرأت مند خاتون کا ہے جس نے تن تنہا باطل کے ایوانوں کو اپنے خطبوں سے لرزہ براندام کردیا۔

قیام کربلا کی شریک اور محافظ: جناب زینبؑ نہ صرف امام حسینؑ کی بہن تھیں بلکہ ان کے مشن کی سچی ساتھی تھیں۔ بروز عاشورہ جب تمام مرد درجۂ شہادت پر فائز ہوچکے آپ نے خیموں کی حفاظت خواتین اور بچوں کو تسلی اور بیمار امام جناب زین العابدینؑ کی نگہبانی کے فرائض انجام دیئے آپ نے صبر و استقامت کی وہ مثال قائم کی جس نے یزیدیوں کے حوصلے پست کردیئے۔

روز عاشورا اور شب عاشور میں صبر کا مظاہرہ: عاشورہ کی تپتی ہوئی دوپہر میں جب یکے بعد دیگرے خاندان نبوت کے چراغ گل ہورہے تھے جناب زینب سلام اللہ علیہا صبر کے ایک کوہ گراں کے مانند کھڑی رہیں۔ جس کی مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ اپنے دو بیٹوں جناب عون و محمد کی شہادت پر بھی آپ نے بین نہیں کیا تاکہ امام حسین علیہ السلام کی تکلیف میں اضافہ نہ ہو۔ آپ نے اپنے خیموں کے دروازے پر کھڑے ہوکر بھائی کی ہر آواز پر لبیک کہا۔

اسیری میں انقلاب کی قیادت: کربلا کے بعد اسیری کا دور جناب زینبؑ کی زندگی کا سب سے مشکل اور اہم ترین مرحلہ تھا۔ کوفہ اور شام کے بازاروں اور درباروں میں آپ نے قیدیوں کے قافلے کی قیادت کی انہوں نے اسیری کو کمزور نہیں بننے دیا بلکہ اسے یزید کے خلاف ایک احتجاج اور پیغام رسانی کے ذریعہ کے طور پر استعمال کیا۔

تاریخی خطبات اور حق گوئی: جناب زینب نے کوفہ اور یزید کے دربار میں اپنے پُر اثر خطبات دیئے جس سے یزید کے جھوٹے پروپگنڈے کو بے نقاب کردیا۔ ابن زیاد کے دربار میں آپ کا یہ جملہ "مارایت الا جمیلا" (میں نے کربلا میں خوبصورتی کے سوا کچھ نہیں دیکھا) آپ کے بلند حوصلے اور قربانی پر رضامندی کے سب سے واضح دلیل ہے۔

جب قیدیوں کا قافلہ کوفہ پہونچا تو آپ نے وہ فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس سے لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کی یاد دلادی لوگ رونے لگے اور اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے یزیدی حکومت کے خلاف بیزار ہوگئے۔

یزید کا دربار: دمشق کے بھرے دربار میں جہاں یزید اپنی فتح کا جشن منا رہا تھا آپ نے اسے مخاطب کرکے فرمایا اے یزید! تو جتنا چاہے مکر و فریب کرلے اور اپنی پوری طاقت صرف کرلے اللہ کی قسم! تو ہمارے ذکر کو کبھی مٹا نہیں سکتا۔ اس ایک جملہ نے ۔۔؟ ۔۔شکست مہر ثبات کردی۔

عزاداری کی بنیاد اور تبلیغ: واقعہ کربلا کے بعد جناب زینبؑ نے شام میں پہلی "مجلس عزا" برپا کی جس نے لوگوں کے دلوں میں امام حسین علیہ السلام کی محبت پیدا کی آپ نے اس واقعہ کو محض ایک خاندانی جنگ کے بجائے "حق اور باطل" کی جنگ کے طور پر پیش کیا۔ آپ کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ شام کے لوگ جو کبھی اہل بیت علیہم السلام کے خلاف تھے یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

حفاظت امامت: جناب زینب سلام اللہ علیہا نے کئی مقامات پر جناب زین العابدین علیہم السلام کی جان بچائی۔

□ خیموں میں آگ: جب خیموں میں آگ لگ گئی تو آپ نے بیمار امام کو تپتی زمین سے اٹھایا اور دشمنوں کے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہوگئیں۔

□ ابن زیاد کا دربار: کوفہ کے دربار میں جب ابن زیاد نے امام سجادؑ علیہ السلام کو شہید کرنے کا حکم دیا تو آپ نے انہیں گلے لگا لیا اور فرمایا:

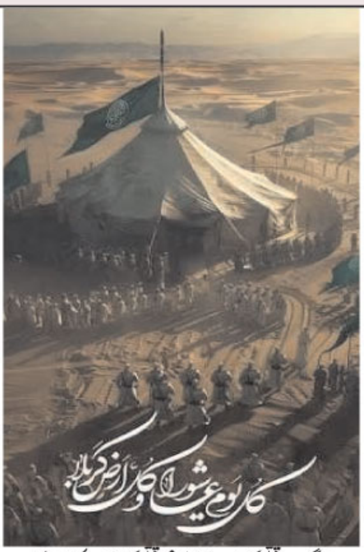

"اگر اسے قتل کرنا ہے تو پہلے مجھے قتل کر" آپ کی اس شجاعت اور بے باکی نے نسل امامت کی حفاظت کی۔

دربار ابن زیاد میں پسماندگان امام حسینؑ کی حاضری: "جب خاندان رسالت کو قیدیوں کی حیثیت سے لا کر ابن زیاد کے دربار میں کھڑا کردیا گیا۔ اس نے ان کا دل دکھانے کی خاطر امام حسینؑ کے دندان مبارک کو چھڑی سے ضرب لگانا شروع کیا۔ یہ بے ادبی دیکھ کر زید بن ارقم صحابیٔ رسولؐ نے کہا کہ یہ وہ لب و دندان ہیں جن کے رسول بوسے لیا کرتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق انس بن مالک دربار میں موجود تھے وہ رونے لگے کہ حسینؑ سب سے زیادہ رسولؐ سے مشابہ تھے۔ (صحیح بخاری)

اس موقع کے لئے حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی بڑی بیٹی جناب زینب (س) نے پہلے ہی لباس میں تبدیلی کرلی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ بہت پست اور معمولی درجہ کے کپڑے پہن لئے تھے اور اب اس وقت کنیزوں نے آپ کے گرد حلقہ باندھ لیا تھا مگر خلقی عظمت اور جلالت چھپانے سے نہیں چھپی۔ چنانچہ ابن زیاد نے زینب کبریٰؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ وہ کون عورت ہے؟ تین دفعہ اس نے یہی کہا مگر کچھ جواب نہ ملا آخر کار ایک کنیز نے کہہ دیا، ارے یہ زینب (س) بنت فاطمہؑ ہیں یہ سن کر ابن زیاد نے جو فتح و ظفر کے نشے میں چور تھا آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"خدا کا شکر کہ اس نے تم لوگوں کو رسوا کیا تمہیں قتل کیا اور تمہارا جھوٹ ظاہر کردیا"۔

بڑی وسعت تھی اس میں قرآن حدیث، رسالت اور سب کا انکار مضمر تھا۔ اب اسلامی اصول پر حملہ ہورہا تھا جس پر جناب زینب (س) نے خاموش رہنا اپنے لئے روا نہ جانا اور فرمایا:

حمد ہے اس خدا کے لئے جس نے ہم کو عزت دی محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ اور ہمیں پاک و پاکیزہ قرار دیا اس طرح جو حق ہے پاکیزہ قرار دینے کا نہ وہ کہ جو تو کہتا ہے۔ رسوا وہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو اور جھوٹ اس کا کھلتا ہے جس کے مدنظر ہمیشہ سچائی نہ رہے، اور وہ ہم نہیں ہیں ہمارا غیر ہے"۔

اختتامیہ: جناب زینب (س) کی سیرت و کردار عزم و استقلال فصاحت و بلاغت اور صبر عظیم کا وہ روشن مینار ہے جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی آپ کا کردار محض ایک مظلوم بہن کا نہیں تھا بلکہ ایسی مدبر اور جرأت مند خاتون کا تھا جس نے تن تنہا باطل کے ایوانوں کو اپنے خطبوں سے لرزہ براندام کردیا۔ آپ نے کربلا کی قربانی کو ضائع ہونے سے بچایا اگر آپ کے خطبات اور شجاعت نہ ہوتی تو واقعہ کربلا کو ایک عام بغاوت کہہ کر تاریخ کے اوراق میں چھپا دیا جاتا۔ آپ نے ثابت کردیا کہ فتح تلوار سے نہیں بلکہ حق کے اظہار اور صبر سے حاصل ہوتی ہے۔

حوالے: (۱) الارشاد۔ (۲) تاریخ طبری۔ (۳) شہید انسانیت۔ از سید العلماء علامہ سید علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ۔ (۴) صحیح بخاری۔
(بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

حمید ابن مسلم کے خطوط اور واقعۂ کربلا

سید عالم حسین رضوی

جو لوگ برابر مجلسیں سنتے ہیں ان کے لئے حمید ابن مسلم کا نام نیا نہیں ہے۔ جب ذاکرین مجلسوں میں کربلا کے مصائب پڑھتے ہیں تو کہیں نہ کہیں حمید ابن مسلم کا نام آجاتا ہے۔ مثلاً جب امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خیموں میں آگ لگائی گئی اور جناب سکینہؑ کے دامن میں آگ لگ گئی تو آپ باہر کی طرف دوڑیں۔ حمید ابن مسلم نے جب آپ کا دامن جلتا دیکھا تو آگ بجھانے کے لئے آگے بڑھا۔ جناب سکینہؑ نے اس کو روکا جس پر اس نے کہا کہ میں آپ کو ستانے کے لئے نہیں بلکہ آپ کے دامن کی آگ بجھانے ک لئے بڑھا ہوں۔

حمید ابن مسلم کی شخصیت کے بارے میں دنیا کو پتہ نہ چلتا اگر اسپین (Spain) کے کورڈوبا (Córdoba) شہر کی کورڈوبا یونیورسٹی کے پروفیسر ارنسٹ ونسنٹ نے 1961 میں (LEGEND IN WARHISTTORY OF KARBALA) (کربلا کی جنگ کی تاریخی داستان) کے عنوان سے کتاب نہ لکھی ہوتی۔ یہ کتاب قرطبہ (کورڈوبا) یونیورسٹی پریس میں چھپی۔

اس نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب حمید ابن مسلم کے خطوط کی بنیاد پر لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یزید نے حمید ابن مسلم کو اپنا خبر رساں اور مخبر بنا کر عراق بھیجا تھا۔ اور ہدایت کی تھی کہ وہ ابن زیاد کی جاسوسی بھی کرے اور کوفہ و کربلا وغیرہ میں جو بھی واقعات ہوں ان کی تفصیل خط کے ذریعہ روز یزید کو بھیجے۔ یزید نے حمید ابن مسلم کے ساتھ 500 گھوڑ سوار بھی کئے اور حکم نامہ بھی تمام گورنروں کے نام کا بھیجا کہ یہ مرکز کا نمائندہ ہے اور کوئی اس کے کام میں مداخلت نہ کرے۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی ہر ملک اپنی فوج کے ساتھ اپنے نامہ نگار بھی بھیجتا ہے جو اپنے بادشاہ، جمہوریت میں وزیر اعظم کو پل پل کی خبریں دیتا رہتا ہے اور سربراہ کو فوج کی نقل و حرکت کے بارے میں پورا پتہ چلتا رہتا ہے۔

حمید ابن مسلم ابن زیاد کے پہنچنے کے دو دن پہلے سے ہی کوفہ پہنچ گیا تھا اور بظاہر اس نے باورچی خانہ کے انچارج کے طور پر کام کرنا شروع کیا لیکن مقصد جاسوسی کرنا تھا۔ وہ روز کی خبریں یزید کو خط کے ذریعہ بھیجتا رہا جس میں کوفہ کربلا اور اہل حرم کے شام تک اور دربار یزید تک پہنچنے کی خبریں شامل ہیں۔ پروفیسر نے اپنی کتاب میں حمید ابن مسلم کے ذریعہ بھیجے گئے خطوط کی تعداد بروز 127 پروفیسر نے بتائی ہے۔ یہ خطوط اپنی اصلی شکل میں کورڈ وبا یونیورسٹی میں (MANUSERIPT LIBRARY) (قلمی نسخوں والا کتب خانہ) میں محفوظ ہیں۔ ان خطوط کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کسی طرح مختار ثقفی کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ اور اس نے اپنے دور اقتدار میں اس خط کو پڑھ کر قاتلان شہیدان کربلا کی شناخت کی اور ان کے کارنامے پڑھ کر چُن چُن کران کو قتل کیا اور خون حسینؑ کا بدلہ لیا۔ اس کے بعد پھر یہ خط اموی حکمرانوں کے پاس پہنچ گئے۔ یہ خطوط اسپین کیسے پہنچے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسپین بھی طارق ابن زیاد کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ اس کا ثبوت سمندر کے پاس وہ پہاڑ ہے جس کا نام طارق کے نام پر جبل الطارق رکھا گیا تھا جو بگڑتے بگڑتے وہ علاقہ اب جبرالٹر ہوگیا۔ اس کے ذریعہ اسپین میں بھی بنی امیہ کی حکومت قائم ہوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہاں کے اموی حکمراں دمشق سے حمید ابن مسلم کے سارے خطوط اپنے یہاں لے گئے ہوں۔ بہرحال یہ اب ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حمید ابن مسلم کے سارے خطوط اب کورڈوبا یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

یوم عاشورہ کے اپنے خط میں حمید بن مسلم نے بڑی حیران کن بات لکھی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ جب بھی امام حسینؑ کی طرف سے کوئی مجاہد جنگ کے لئے آتا تھا تو اس کی شہادت کے بعد قتل ہونے والے یزیدی فوجیوں کی گنتی ہوتی تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ کس مجاہد نے کتنے فوجیوں کو قتل کیا۔ اس نے امام حسینؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ پیاس کی حالت میں بھی انہوں نے جنگ کی اور اکیلے امام حسینؑ نے گیارہ ہزار (11000) فوجیوں کو قتل کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب گنتی پوری کی گئی تو اس جنگ میں یزیدی فوج کے 84647 سپاہی قتل ہوئے تھے۔ اسے پڑھ کر پروفیسر ارنسٹ ونسنٹ کو بڑی حیرانی ہوئی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مجھے کورڈوبا یونیورسٹی میں پڑھاتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ میں نے پہلی جنگ عظیم دیکھی اور اسے اپنے لکچر میں شامل کیا۔ اسی طرح دوسری جنگ عظیم کو بھی شامل کیا۔ میں نے ہیروشیما پر ایٹم بم کے حملے کو بھی دیکھا۔ میں سخت حیران ہوں کہ عاشور کی آٹھ یا نو گھنٹے کی جنگ میں مختصر حسینی مجاہدوں کے ذریعہ تقریباً 85000 یزیدی سپاہی بلا ایک بھی گولی چلائے کیسے قتل ہوگئے۔ یہ ناممکن ممکن کیسے ہوگیا۔ ضرور کوئی خاص بات تھی۔

ارے جنگ کے آٹھ یا نو گھنٹے میں اتنے سکنڈ بھی نہ تھے جتنے یزیدی مارے گئے۔ اکیلے امام حسینؑ نے بہت سے بہت آدھا گھنٹہ جنگ کی ہوگی اور انہوں نے گیارہ ہزار سپاہیوں کو قتل کردیا۔ انسانی تاریخ میں یہ جنگ معمہ بن گئی ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ غیبی طاقت تھی۔ اسی لئے اس کا نام میں نے LEGEND (داستان) رکھا ہے۔ حمید ابن مسلم کے اندازے کے مطابق یزیدی فوج کی تعداد تقریباً تین لاکھ تھی کیونکہ دمشق سے کوفہ سے بصرہ سے اور بھی کسی جگہ سے لشکر آیا تھا۔

بہرحال یہ پروفیسر نے بھی مانا ہے کہ یزید ایک ظالم بادشاہ تھا اس لئے حمید ابن مسلم کی یہ مجال نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ قتل ہونے والوں کی تعداد میں مبالغہ کرے جبکہ اس سے یزیدی سپاہیوں کی بزدلی اور کمزوری اور حسینی مجاہدوں کے حوصلے کی بات سامنے آتی ہے۔ یقیناً یہ جنگ کوئی عام جنگ نہ تھی بلکہ جذبے کی روحانی جنگ تھی۔ اس پر پروفیسر تو حیران ہوسکتا تھا لیکن وہ جنہیں امام حسینؑ کی معرفت ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ حق و باطل کی جنگ تھی۔ چونکہ یزیدی فوجیوں کے سامنے کوئی مقصد نہ تھا اس لئے ان میں کوئی جذبہ نہ تھا جبکہ حسینی جاں نثاروں میں اپنے امام پر قربان ہونے کا ایک ایمانی جذبہ تھا جس نے ان میں کی ہر جھجک کو مٹا دیا تھا بلکہ انہوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ دشمنوں کو قتل کرکے شہید ہونا ہے۔

میرا اسلام ہے جاں نثاران حسینؑ پر، آپ سب نے ایک نئی تاریخ رقم کردی۔ پروفیسر ارنسٹ ونسنٹ سمیت پوری دنیا حیران ہے کہ اتنے مختصر لوگوں نے اتنا بڑا کارنامہ کر دکھایا۔

حمید ابن مسلم کے خطوط سے تین باتیں واضح ہیں:

(۱) امام حسینؑ اقربا اور ساتھیوں نے ناممکن کو ممکن بنادیا۔ مختصر مدت میں اتنے لوگوں کو قتل کرنا واقعی ناممکن کو ممکن بنانا ہے۔ انسانی تاریخ نے جنگ بذریعہ تلوار کا ایسا معرکہ اور کبھی نہ دیکھا اور شاید نہ کبھی دیکھے گی۔

(۲) حمید بن مسلم کی رپورٹ نے یہ ثابت کردیا کہ یزیدی فوج کی تعداد نہ تیس ہزار (30000) تھی اور نہ۔۔ نولاکھ تھی بلکہ تین لاکھ تھی۔

(۳) 127 خطوط جو روزانہ لکھے گئے تھے، انہوں نے ثابت کردیا کہ اہل حرم دوسرے سال قید سے چھوٹ کر کربلا آئے تھے۔ اسی سال والی بات ضعیف ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)

غیبتِ امامِ زمانہ اور عصرِ حاضر کے تناظر میں ذکرِ سید الشہدا امام حسینؑ ہی رمزِ بقائے انسانیت ہے

مولانا ڈاکٹر احتشام الحسن زنگی پوری
مؤمل کلچرل فاؤنڈیشن، لکھنؤ
9839459672

انسانی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو زمان و مکان کی حدود سے بلند ہو کر پوری انسانیت کے لیے مشعلِ راہ بن جاتی ہیں۔ سرکار سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام ایسی ہی ایک آفاقی اور ابدی شخصیت ہیں جن کی قربانی نے نہ صرف اسلام کو حیاتِ نو بخشی بلکہ انسانیت کو ظلم و جبر کے مقابلے میں عزت، آزادی اور حق پسندی کا راستہ دکھایا۔ آج جب دنیا غیبتِ امامِ زمانہ حضرت مہدی عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے دور سے گزر رہی ہے اور انسانیت فکری انتشار، اخلاقی بحران، ظلم، استحصال اور مادہ پرستی کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے، ایسے میں ذکرِ سید الشہداء ہی ایک چراغِ ہدایت، ایک مکتبِ تربیت اور بقائے انسانیت کا سب سے مؤثر ذریعہ بن کر سامنے آتا ہے۔

قرآن مجید اور تذکیرِ حق

قرآن کریم بار بار انسان کو تاریخِ حق اور اہلِ حق کی یاد تازہ کرنے کا حکم دیتا ہے:

وذکرھم بایام اللہ، سورا براہیم (۵)

"اور انہیں اللہ کے دنوں کی یاد دلاتے رہو۔"

واقع کربلا درحقیقت "یوم اللہ" ہے، کیونکہ اس دن حق و باطل کی ایسی جنگ برپا ہوئی جس نے تاریخ کا رخ بدل دیا۔ امام حسین کا ذکر اس عظیم الٰہی دن کی یاد کو زندہ رکھنے کا نام ہے جس کے ذریعے انسان حق و باطل میں تمیز کرنا سیکھتا ہے۔

قرآن مجید شهدا کی دائمی حیات کا اعلان کرتے ہوئے فرماتا ھے:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ مواتا بل أحیاء عند ربھم یرزقون، آل عمران (۱۶۹)

امام حسین اور ان کے باوفا اصحاب اس آیت کے روشن مصداق ہیں۔ ان کا ذکر دراصل زندہ اقدار، زندہ شعور اور زندہ ضمیر کا ذکر ہے۔

پیغمبر اسلام کی نگاہ میں عظمت ومقامِ امام حسین علیه السلام

رسول اکرم (ص) نے فرمایا:

حسین مِنی و أنا مِن الحسین

"حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔"

اس حدیث میں رسول اکرم (ص) نے واضح کر دیا کہ حسین کی بقا درحقیقت دینِ محمدیؐ کی بقا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے:

"اسلام محمدی الحدوث و حسینی البقاھے۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

اِن لِقتلِ الحسینِ حرارة فِی قلوبِ المؤمِنین لاتبرد ابدا

"حسین کی شہادت کی حرارت مومنوں کے دلوں میں کبھی سرد نہیں ہوگی۔"

یہی حرارت ہر دور میں ظلم کے خلاف قیام، حق کی حمایت اور عدل کے قیام کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

غیبتِ امامِ زمانہ (عج) اور ذکرِ حسینؑ

حضرت امام مہدی کا عالمی انقلاب دراصل کربلا کے مشن کی تکمیل ہے۔ امام مہدی اپنے ظہور کے وقت سب سے پہلے امام حسین کا تعارف پیش کریں گے اور دنیا کو بتائیں گے کہ مظلومیت کی انتہا کربلا میں ہوئی تھی۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں امام زمانہ اپنے جدِ امجد کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

فلأندبنک صباحا ومسا ولأبکین علیک بدل الدموعِ دما

"میں صبح و شام آپ پر گریہ کروں گا اور آنسوں کے بدلے خون کے آنسو بہاؤں گا۔"

عصرِ غیبت میں امام حسین علیہ السلام کی یاد صرف ایک تاریخی یادگار نہیں بلکہ امامِ عصر (عج) سے وابستگی کا زندہ وسیلہ ہے۔ جب خود امامِ عصر کا دل کربلا سے وابستہ ہے تو ان کے منتظرین کے لیے بھی ذکر امامِ حسین علیہ السلام زندگی کا لازمی حصہ ہونا چاہیے۔

تعلیماتِ امام حسین علیه السلام ؛ نجاتِ انسانیت کا منشور

امام حسین نے اپنے قیام کا مقصد یوں بیان فرمایا:

اِنما خرجت لِطلبِ الاصلاح فِی اُمۃِ جدِی

"میں اپنے نانا کی امت کی اصلاح کے لیے نکلا ہوں۔"

یہ مختصر جملہ درحقیقت انسانیت کا عالمی منشور ہے۔

موجوده عالمی حالات اور پیغامِ کربلا

آج دنیا میں:

☆ فلسطین، لبنان اور دیگر علاقوں میں مظلوموں پر ظلم۔
☆ معاشی استحصال۔
☆ اخلاقی زوال۔
☆ خاندانی نظام کی کمزوری۔
☆ دینی شناخت پر حملے۔
☆ فکری گمراہی اور الحاد۔
☆ جمہوری اسلامی ایران، فلسطین، لبنان اور دیگر علاقوں میں مظلوموں پر ظلم۔
☆ معاشی استحصال۔
☆ اخلاقی زوال۔
☆ خاندانی نظام کی تباہی۔
☆ دینی اقدار سے دوری۔
☆ فکری گمراہی اور الحاد۔
☆ مادہ پرستی اور خودغرضی، نمایاں ہیں۔

یہ سب انسانیت کے لیے خطرہ بن چکے ہیں۔

ان تمام بحرانوں کا علاج مکتبِ امام حسینؑ میں موجود ہے، کیونکہ کربلا انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ اگر سچائی کے لیے قربانی دینا پڑے تو پیچھے نہ ہٹو، اور اگر باطل غالب نظر آئے تب بھی حق کا دامن نہ چھوڑو اور دورِ حاضر کی تاریخ میں یہ کردار ایک بار پھر ایران اسلامی کے حسینی جیالوں اور حزب اللہ لبنان کے مجاہدین نے طاغوتی طاقتوں کے سامنے ڈٹ کر بتا دیا کہ اگر ہم حق پر ہیں تو دینا کا سپر پاور خدا ہمارے ساتھ ہے۔

منتظرِ حقیقی کون؟

امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

من سرہ أن یکون مِن اصحابِ القائِم فلینتظِر ولیعمل بِالورعِ ومحاسِنِ الاخلاقِ

"جو شخص قائم کے اصحاب میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے انتظار کرنا چاہیے اور تقوی و بہترین اخلاق کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے۔"

لہذا حقیقی انتظار صرف دعا کا نام نہیں بلکہ حسینی کردار اپنانے کا نام ہے۔ جو شخص کربلا کے پیغام پر عمل نہیں کرتا وہ مہدوی انقلاب کی حقیقی روح کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔

ذکرِ امام حسینؑ؛ بقائے تشیع کا راز

تاریخ گواہ ہے کہ اگر عاشورا نہ ہوتا تو اسلام کی حقیقی روح باقی نہ رہتی، اور اگر عزاداریِ حسین نہ ہوتی تو مکتبِ اہلِ بیت کی شناخت بھی محفوظ نہ رہتی۔

امام خمینی کا مشہور جملہ ھے:

"محرم و صفر است کہ اسلام را زندہ نگہ داشتہ است۔"

درحقیقت مجالسِ حسینی، عزاداری، زیارت، نوحہ اور ذکرِ مصائب صرف جذباتی مراسم نہیں بلکہ ایک عظیم فکری، تربیتی اور انقلابی نظام ہیں جو ہر نسل کو حق و باطل کی پہچان عطا کرتے ہیں۔

امام زمانہ اور امام حسین کا تعلق

امام مہدی کے عالمی انقلاب کی بنیاد بھی کربلا ہے۔

زیارتِ عاشورا میں ہم پڑھتے ہیں:

أسال اللہ أن یرزقنِی طلب ثارکِ مع اِمام منصور مِن أھلِ بیتِ محمد

"میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آپ کے خون کا بدلہ لینے کی توفیق عطا کرے اس کامیاب امام کے ساتھ جو آلِ محمد میں سے ہوگا۔"

یہ "امام منصور" حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ الشریف کی ذات ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کربلا اور ظہور ایک ہی الٰہی تحریک کے دو مرحلے ہیں؛ کربلا آغاز ہے اور ظہور اس کی تکمیل۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں امام زمانہ اپنے جدِ مظلوم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عصرِ حاضر کے چیلنجز اور پیغامِ حسین

آج دنیا جن مسائل سے دوچار ہے ان میں سے کچھ خاص اور اہم:

ذکرِ امام حسین علیہ السلام کیوں رمزِ بقائے انسانیت ہے؟

درحقیقت ذکرِ حسین:

☆ انسان میں ظلم کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے۔
☆ عدل و انصاف کی روح بیدار کرتا ہے۔
☆ ایثار، قربانی اور وفاداری کا درس دیتا ہے۔
☆ انسان کو خدا اور آخرت کی یاد دلاتا ہے۔
☆ منتظرِ حقیقی امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف بننے کی تربیت دیتا ہے۔
☆ معاشرے میں بیداری اور اصلاح کا شعور پیدا کرتا ہے۔
☆ اگر دنیا سے امام حسین علیہ السلام کا پیغام مٹ جائے تو حق و باطل کے درمیان امتیاز بھی دھندلا پڑ جائے گا، لیکن جب تک مجالسِ امام حسینؑ، عزاداریِ امام حسینؑ، زیاراتِ امام حسینؑ اور ذکرِ امام حسینؑ باقی ہے تب تک انسانیت زندہ ہے اور عدلِ مہدوی کی امید بھی زندہ ہے۔

منتظرینِ امامِ زمانہ کی ذمہ داری

عصرِ غیبت میں ہر مومن فرد کی ذمہ داری ہے کہ:

☆ امام حسین کے پیغام کو عام کرے۔
☆ مجالسِ عزا کو زندہ رکھے۔
☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرے۔
☆ ظلم و ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرے۔
☆ اپنے کردار کو حسینی اور فکر کو مہدوی بنائے۔
☆ ظہورِ امامِ زمانہ کے لیے دعا اور عملی تیاری کرے۔
☆ خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کا انسان اگر اپنی نجات، عزت، آزادی اور حقیقی انسانیت کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو اسے مکتبِ امام حسینؑ سے وابستہ ہونا ہوگا۔ غیبتِ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اس پرفتن دور میں ذکرِ سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام صرف ایک مذہبی شعار نہیں بلکہ بیداریِ ضمیر، تحفظِ انسانیت اور قیامِ عدلِ مہدوی کی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے:

"غیبتِ امامِ زمانہ (عج) اور عصرِ حاضر کے تناظر میں ذکرِ سید الشہدا امام حسین علیہ السلام ہی رمزِ بقائے انسانیت ہے، کیونکہ حسین حق کی آواز، عدل کا پرچم، آزادی کا عنوان اور انسانیت کی دائمی حیات کا نام ہیں۔"

السلام علی الحسین، وعلی علی بن الحسین، وعلی اولاد الحسین، وعلی اصحاب الحسین.

□□

ہم غمزدوں کے ڈر سے

شاعر سفینہ قاسم شبیر مرحوم نصیر آبادی

روکے ہیں کتنے طوفاں صرف ایک چشمِ تر سے
اب ظلم کانپتا ہے، ہم غمزدوں کے ڈر سے
عباسؑ ماورا ہیں تنقید ہر بشر سے
زینبؑ کے دل سے پوچھو شبیرؑ کی نظر سے
دریا پہ اپنے حق کے سکے بٹھا دیئے ہیں
پہرے اٹھا دیئے ہیں اک جنبشِ نظر سے
اعجاز شاہ دیں تھی، عباسؑ کی خموشی
تیغ جلال توڑی کس صبر کی سپر سے
روداد زندگی ہے خیمے سے تابہ دریا
تاریخ بن گئے ہیں لمحات مختصر سے
اک مشک اک علم ہے دو ہاتھ ہیں بُریدہ
ہیں مصحفِ وفا کے اوراق منتشر سے
یہ تیری محنتوں سے قانون بن گیا ہے
دنیا میں کوئی انساں پانی کو اب نہ ترسے
اے علقمہ کے ساحل اللہ سے دُعا کر
پیکار کا جو پیاسا بادل ہے کھل کے برسے
جعفر کی آن بھی ہے، حیدرؑ کی شان بھی ہے
دو آفتاب چمکے اک ہاشمی قمر سے
مقطع کا حسن قاسمؔ صرف ایک ہی دعا ہے
اے کاش داد پاؤں مولائے داد گر سے

واقعہ کربلا، ہلاکت یا شہادت...؟

عظمت علی (قم المقدسہ، ایران)
rascov205@gmail.com

میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد دو بنیادی نظریات کا جنم ہوا۔ایک نظریہ آپ کی قربانی کو شہادت جبکہ دوسرا نظریہ اسے ہلاکت سے تعبیر کرتا ہے اور یہ دو متضاد نظریات نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔عوام کو جستجو اور تحقیق سے کوئی خاص سروکار نہیں ہوتا سو وہ اپنے مذہبی رہنما پر آنکھ موند کر بھروسہ کر لیتے ہیں مگر اکیسویں صدی میں حالات مکمل طور پر مختلف ہو گئے ہیں۔ انٹرنیٹ اور ارتباطات کی وجہ سے دنیا مٹھی میں ہے۔آج صدیوں پرانی اطلاعات بھی بآسانی دریافت ہو جاتی ہیں۔واقعہ کربلا پر مسلسل فکری کام ہورہا ہے۔نفسیاتی اور عقلانی طرز پر واقعہ کربلا کو پرکھا جارہا ہے۔اب حالات تبدیل ہورہے ہیں۔لوگ جوق در جوق حق کی تلاش میں گامزن ہیں۔گھسی پٹی اور دقیانوسی روایات دم توڑ رہی ہیں۔روشن فکری نے لوگوں کے دلوں کو دلائل کی طرف موڑ دیا ہے اور وہ محض زبانی بیان پر کان نہیں دھرتے بلکہ تحقیق و جستجو کرتے ہیں۔صدیوں پرانا سوال ابھی بھی 'بصورتے' زندہ ہے۔سوال ہے شہادت یا ہلاکت کا۔جب امام حسین علیہ السلام کو اپنی موت کی پیشگی اطلاع تھی تو آپ نے رخت سفر کیوں باندھا؟ آیئے مختصراً اس پر گفتگو کرتے ہیں۔

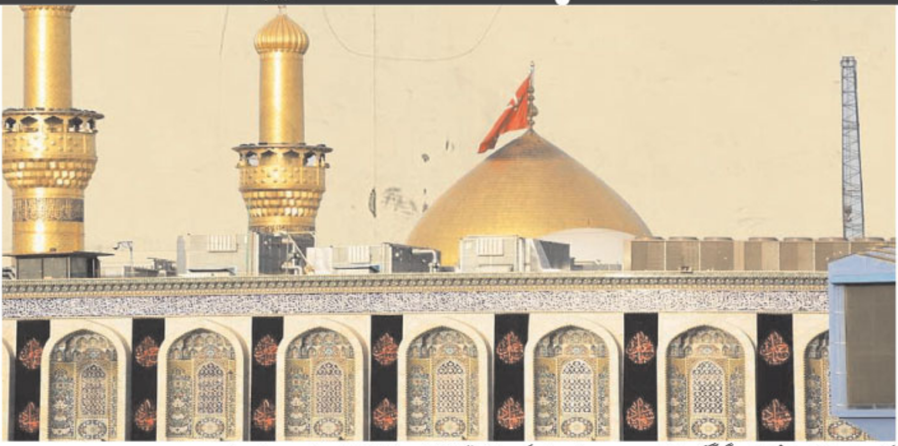

ہلاکت کے نظریات کے قائل افراد کے پاس قرآن کی آیت موجود ہے اور شہادت تسلیم کرنے والوں کے پاس بھی آیت قرآنی موجود ہے۔نظریہ اول کی معتبر ترین دلیل ارشاد الٰہی ہے: 'اور اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔' (سورہ بقرہ/ ۱۹۵)

'مذکورہ آیت کے سلسلہ سے متعدد تفاسیر میسر آئی ہیں مگر عام خیال یہی ہے کہ یہاں پر ہر قسم کی ہلاکت حرام ہے۔آیت کا سیاق جنگ و جہاد سے تعلق رکھتا ہے۔اس لیے اگر مسلمان نے سامان جنگ کی فراہمی میں کوتاہی برتیں تو دیگر مجاہدین اسلام کے حوصلہ سرد پڑ جائیں گے اور دشمن غالب آجائے گا۔یہ ایک قسم کی ہلاکت تسلیم کی جائے گی۔چوں کہ دفاع نفس میں ہم نے خود اپنی جان کو خطرے میں ڈالا ہے۔

براء بن عازب سے ایک روایت ہے کہ جنگ قسطنطنیہ میں ایک مہاجر نے صف دشمن میں حملہ کر دیا تو لوگ چلانے لگے کہ خود کو ہلاکت میں ڈال دیا اور مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ابوایوب انصاری نے وہاں موجود تھے۔انہوں نے کہا: ''اس آیت کے تعلق سے مجھے تم سے زیادہ علم ہے۔یہ بے شک! یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے۔جب اسلام کو استحکام حاصل ہو گیا تو ہم مال و منال میں مشغول ہو گئے اور خود کو ہلاکت میں ڈال دیا یعنی جہاد ترک کر دیا۔''

(تفسیر کبیر، فخر رازی، ج/ ۵، ص/ ۱۵۰، مکتبۃ الاعلام الاسلامی، قم) مذکورہ آیت میں ہلاکت سے مراد بے مقصد خود کو تباہ کرنا ہے۔غیر شرعی اور غیر عاقلانہ امور میں خود ہلاک کرنا یقیناً قابل مذمت ہے جبکہ اللہ کی راہ میں خود کو قربان کر دینا شہادت ہے جسے اللہ نے سراہا ہے: ''اور جو لوگ راہ خدا میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں ان کی زندگی کا شعور تک نہیں۔'' (سورہ بقرہ/ 154)

اللہ نے ان لوگوں کی مدح سرائی فرمائی ہے جنہوں نے اپنی جان و مال کا نذرانہ اس کی راہ میں قربان کیا ہے: ''یقیناً! اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جان و مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ ان کے لیے جنت ہے کیوں کہ وہ اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔'' (سورہ توبہ/ 111)

اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دینا قابل ستائش عمل ہے: ''اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے جو بیچ دیتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا کے لیے اور اللہ اپنے ایسے بندوں کے حق میں بہت شفیق ہے۔'' (سورہ بقرہ/ 207)

یہ بات سچ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنی موت کا علم تھا۔آپ نے اپنے قول و بیان سے اس کی تصدیق کی ہے اور ساتھ ہی اپنے مقاصد کی بھی وضاحت فرمائی ہے۔آپ نے مکہ میں عبداللہ بن زبیر سے فرمایا:

وایم اللہِ لو کُنتُ فی جحر هامة من هذه الهوام لاستخرجونی حتی یقضوا بی حاجتهم واللہ لیعتدن علیّ کما اعتدت الیهود فی السبت

اللہ کی قسم! میں چاہے جس بھی پناہ گاہ میں رہوں، مجھے باہر نکال لیا جائے گا تاکہ وہ اپنے مقصد کو پورا کر سکیں۔قسم بخدا! وہ ظلم و ستم میں مجھ پر اس حد تک گزر جائیں گے جتنا یہود نے روز شنبہ کے سلسلے میں ظلم کیا تھا۔

(کامل فی التاریخ، ج/ ۴، ص/ ۳۹، ابن اثیر، نشر: دار صادر، دار بیروت، سال ۱۳۸۵، ہجری)

آپ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: واللہ لا یدعونی حتی یستخرجوا هذه العلقة من جوفی فاذا فعلوا سلط اللہ علیهم من یذلهم

اللہ کی قسم! یہ مجھ سے دست بردار نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرا خون جگر پی جائیں۔جب یہ ایسا کریں گے تو اللہ ان پر ایسے کو مسلط کر دے گا جو انہیں (خوب) ذلیل کرے گا۔

(ارشاد، شیخ مفید، ج/ ۲، ص/ ۸۷، مترجم: سید ہاشم رسولی محلاتی، ناشر: انتشارات علمیہ اسلامیہ)

آپ نے فرمایا: من کان باذلا فینا مهجته و موطنا علی لقاء اللہ نفسه، فلیرحل معنا ، فانی راحل مصبحا ان شاء اللہ تعالیٰ

جو شخص ہماری راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہے اور اللہ سے ملاقات کا خواہشمند ہے، اسے چاہیے کہ ہمارا ہم سفر بن جائے۔اس لیے کہ کل صبح میں کوچ کرنے والا ہوں۔انشاءاللہ!

یا اسی طرح یہ امام کا یہ قول: کانی باوصالی تقطعها عسلان الفلوات بین النواویس و کربلا

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ نواویس و کربلا کے درمیان جنگلی بھیڑیئے میرے اعضائے بدن کو نوچ کھا رہے ہیں۔

(بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج/ ۴۴، ص/ ۳۶۷)

آپ نے مکہ سے نکلتے وقت ارشاد فرمایا: من الحسین بن علی الی بنی هاشم، اما بعد فانه من لحق بی منکم استشهد و من تخلف عن لم یبلغ الفتح

حسین ابن علی کی جانب سے، بنی ہاشم کے نام!

امابعد!

تم میں سے جو بھی میرے ساتھ چلے گا وہ شہید ہوگا اور جو میرے ہمراہ نہ ہوگا وہ کامیاب نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے خطبات میں متعدد مقامات پر مستقبل میں ہونے والے واقعات بیان ہوئے ہیں جو آئندہ زمانہ کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔ساتھ ہی امام علی علیہ السلام اور رسول خدا کا امام کو واقعہ کربلا کے متعلق خبر دینا بھی واضح کرتا ہے کہ امام کو اپنی شہادت کا علم تھا۔

اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہوتا ورنہ خود کلام الٰہی متضاد ہو جائے جبکہ یہ ناممکن ہے۔دنیا میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں انسان کو اپنی جان قربان کرنا پڑتی ہے۔ملکی سرحد کی حفاظت ہو یا وطن کی مٹی کا تحفظ، ناموس کی ہتک حرمت کا تحفظ ہو یا حق و سچائی کا دفاع، ایسے مقامات پر انسان خود کو نثار کر دیتا ہے تاکہ اس سے زیادہ محترم شے محفوظ رہ سکے۔مقدسات اسلام کا دفاع بھی اسی کڑی کا ایک حصہ ہے۔اصحاب و انصار ہتھیلی پر جان رکھ کر میدان کارزار کے لیے نکلتے تھے تو کیا یہ ہلاکت تسلیم کی جائے گی یا شہادت......؟ وطن کا محافظ بارڈر پر سر پر کفن باندھ کے کھڑا ہے، اسے نہیں معلوم کب اور کہاں سے دشمن حملہ آور ہو جائے اور جان لے لے۔اگر دشمن کے ساتھ نبرد آزمائی میں فوج قربان ہو جائے تو بے شک اسے شہادت کہیں گے اور اسے سمان کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا فرض تھا دین کی تبلیغ۔بنی اسرائیل نے سینکڑوں انبیا کا قتل کیا۔اللہ نے پھر بھی ان کی جانب ہادی بھیجے۔تو کیا ہم اللہ پر شک کر سکتے ہیں......؟ امام علی علیہ السلام بستر رسول پر سو گئے۔بس ایک سوال......آپ کی جان بچ جائے گی یا رسول اللہ......؟

امام نے حبیب الٰہی کی جان کی حفاظت میں بستر رسول پر مرضی رب کا سودا کر لیا۔دنیا کی زندگی محض چند روزہ ہے۔موت تو سب کو آنی ہے، آج نہیں تو کل۔موت کا بہترین انتخاب، شہادت ہے۔ہم یہاں کے لیے خلق ہی نہیں ہوئے۔ہماری تخلیق آخرت کے لیے ہے۔اخروی سعادت اسی وقت میسر ہو سکتی ہے جب یہ جان، جان آفرین کی راہ میں خرچ ہو جائے۔

> واقعہ کربلا پر مسلسل فکری کام ہورہا ہے۔نفسیاتی اور عقلانی طرز پر واقعہ کربلا کو پرکھا جارہا ہے۔اب حالات تبدیل ہورہے ہیں۔لوگ جوق در جوق حق کی تلاش میں گامزن ہیں۔گھسی پٹی اور دقیانوسی روایات دم توڑ رہی ہیں۔روشن فکری نے لوگوں کے دلوں کو دلائل کی طرف موڑ دیا ہے اور وہ محض زبانی بیان پر کان نہیں دھرتے بلکہ تحقیق و جستجو کرتے ہیں۔

سلام

ڈاکٹر ہارون رشید۔لکھنؤ

جو پوچھتے ہو تو آؤ بتائیں کیا ہیں حسین
سوادِ شب میں اجالوں کا قافلہ ہیں حسین
علی کے لخت جگر جانِ فاطمہ ہیں حسین
کوئی نہ سمجھے یہ ہرگز ہما شما ہیں حسین
وہ جس میں سیرتِ سرور کے عکس ہیں پنہاں
فضیلتوں کا وہ شفاف آئنہ ہیں حسین
رضا و صبر و تحمل وہ پیکرِ ایثار
امنگ و شوق و جنوں اور ولولہ ہیں حسین
جبینِ شوق انھیں کیوں نہ پھر سلام کرے
وقارِ دین ہیں مقصودِ ھل اتی ہیں حسین
ابھی نہ سر کو اٹھائیں گے آپ سجدے سے
ابھی سوار جو بر دوشِ مصطفےٰ ہیں حسین
گزر چکے ہیں کئی سو برس و لے اب بھی
تمام درد کے ماروں کا حوصلہ ہیں حسین
بقائے دیں کا علم لے کے آپ اٹھے ہیں
شکست و فتح کی منزل سے ماورا ہیں حسین
یہی نہیں کہ وہ ہیں واقفِ رموزِ فنا
بقا کے راز سے بھی خوب آشنا ہیں حسین
لو بات سچ ہوئی آخر کو جوش صاحب کی
ہر ایک قوم میں موضوعِ تذکرہ ہیں حسین
احاطہ ان کی فضیلت کا کیا کریں ہارون
کہ جب بیان کی قوت سے ماورا ہیں حسین

7985824008

پیغام کربلا

شفق شادانی ایم اے۔
محمد پور، وادی (چندوسی) ضلع مراد آباد

یہ اختیار شہیدوں کا وہ جہان میں ہے
قدم زمین پہ پرواز لامکان میں ہے
سپاہ شام ''تبسم کا وار'' سہ نہ سکی
مزاج فاتح خیبر کا بے زبان میں ہے
چلے ہیں حرؑ کے تعاقب میں منصب و جاگیر
فضائے حق کا یہ طائر ابھی اڑان میں ہے
خدا کی یاد شہادت کی منزلیں شبیرؑ
یہ ماہ تاب فضیلت کے آسمان میں ہے
ہر ایک دور میں پیغام کربلا کا سفر
صف نماز میں ہے، گونجتی اذان میں ہے
رہے گا اس سے منور ضمیر اہل وفا
لہو کا رنگ جو عباسؑ کے نشان میں ہے
یزید و شمر کی سازش ہٹا نہیں سکتی
حسینؑ چادر زینبؑ کے سائبان میں ہے
ہجوم قتل و اسیری سے کیا ڈریں عابدؑ
یہ سلسلہ ابوطالب کے خاندان میں ہے
ہمیں طلب کریں یا خود ظہور فرمائیں
عریضہ بارگہ صاحب الزمانؑ میں ہے
فرات ظلم کے طوفاں، لرز رہے ہیں شفق
وہ حوصلہ مری کشتی کے بادبان میں ہے

ہندو راجہ گوالیار کی عزاداری کا پس منظر

9 محرم کو شادی کا مہورت تباہی بن گیا!

شاہد نقوی

ریاست گوالیار کی عزاداری کو جو شہرت ہندوستان، پاکستان و دیگر ممالک میں ہوئی اس کے پس منظر کو سمجھنے کیلئے ریاست کے حکمران کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا جو ریاست میں عزاداری کی بنیاد بنا، وہ واقعہ کچھ اس طرح ہے۔ نوجوان مہاراجہ کی شادی کا مہورت نکلوایا گیا تو محرم کی نویں تاریخ کا نکلا۔ ہندو خود بھی محرم میں شادی بیاہ نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے پنڈتوں سے درخواست کی کہ وہ کوئی دوسری فال بتادیں۔ بعض پنڈتوں نے غور کیا، مگر ایک پنڈت نے کہہ دیا کہ اگر یہ فال نکال دیا تو چوبیس سال تک ایسے لمحے نہیں آئیں گے۔ لہٰذا شادی کا فیصلہ کیا گیا۔ انتظامات ہوگئے اور مہاراجہ بارات لے کر روانہ ہوگیا۔

گرمی کا موسم اپنے شباب پر تھا، کوہ وصحرا بھاڑ کی طرح تپ رہے تھے، درو دیوار سے آگ نکلتی محسوس ہوتی۔ مہاراجہ جئے واجی اپنی رانی کو لے کر واپس ہوا تو اچانک کالے کالے بادل آسمان پر نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے گھٹاٹوپ اندھیرا چھا گیا، اتنا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ دن کو کالی رات کا سا منظر ہوگیا، اس پر ستم یہ ہوا کہ آندھی آگئی، سخت طوفانی آندھی اور بجلی کی کڑک شروع ہوگئی، کڑک کا یہ عالم گویا سیکڑوں توپیں ایک ساتھ چھوٹ رہی ہوں۔ ہوا کے جھونکے اتنے شدید تھے کہ چیزوں کے ساتھ آدمی بھی جگہ سے بے جگہ ہوگئے۔ کہار اور سپاہیوں نے دولہن کی پالکی ایک جگہ رکھ دی، پھر ان کو خبر نہ ہوئی کہ وہ کہاں سے کہاں ہو رہے، ایسے میں ایک مسلمان سردار پاؤں جما کر پالکی کے قریب رہ گیا اس کا نام تھا حسن خاں بھیا، اتنے میں بڑے بڑے اولے گرنا شروع ہوگئے جن کی ضربوں سے حسن خاں سخت زخمی ہوا، لیکن اس نے جگہ نہ چھوڑی۔ رانی نئی نویلی دولہن تھی جو حیا میں بولا نہیں کرتی، لیکن جب اس نے حسن خاں کا یہ حال دیکھا تو اس سے نہ رہا گیا، وہ بے اختیار بول اُٹھی۔

"بھیا تم بھی کسی آڑ میں ہوجاؤ۔"

"میں اپنی خاندانی شرافت کو بدنام نہ کروں گا کہ تمہیں تنہا چھوڑ دوں" یہ کہہ کر حسن خاں اور تن کر کھڑا ہوگیا۔ اس دوران موسم کی شدت کچھ کم ہونے لگی اور اندھیرا بھی ٹوٹنے لگا، مہاراجہ جے واجی بھی ایک مقام پر تنہا کھڑا ہوا تھا، اس کو کوئی خبر نہ تھی کہ رانی کا کیا حشر ہوا اور دوسرے لوگ کدھر گئے۔ خوفناک تاریکی میں کچھ نظر ہی نہ آتا تھا تو خبر کیا ہوتی، لیکن اس کو رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ اس نے شب عاشور شادی کرکے کچھ اچھا نہیں کیا۔

سندھیا مراٹھے رسول اسلام کی اولاد کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ مراٹھوں کا قدیمی تعلق شیعوں سے رہا تھا۔ جے واجی سندھیا بھی جانتا تھا کہ سبط رسول کی شب شہادت کی کیا عظمت ہوتی ہے؟ اس نے خیال ہی خیال میں سیدہ کونین کو مخاطب کرلیا:

"بی بی مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی، معاف کردیں مجھے اور بچالیں اس مصیبت سے میں آپ کے بیٹے کی عزاداری کروں گا!"

بارگاہِ خدائی میں اس کی دعا قبول ہوگئی اور موسم اعتدال پر آنے لگا، اب جو راجہ نے دیکھا تو حسن خاں خون میں نہایا ہوا رانی کی پالکی کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ عام حالات میں ہوسکتا تھا کہ مہاراجہ گوالیار بھاگ جانے والوں کو سزائیں دیتا مگر وہ کربلا کے شہید اعظم کیلئے سراپا عقیدت بنا ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں بس امام حسین کا تصور تھا۔ حسن خاں کو اس نے بڑی احسان مندی سے دیکھا اور گوالیار کا عازم بنادیا۔ جشن شادی کا ماحول سوگواری میں بدل گیا، گھنٹوں کے اندر ایک تعزیہ بنایا گیا اور محل کے اندر چوک پر رکھا گیا۔ اس پر ماتھا ٹکادیتیں، بلا اس کا لحاظ کئے ہوئے کہ اس جگہ لوگوں کے پاؤں پڑے ہوں گے، فاتحہ ہوتا تو ایک پاؤں سے کھڑی رہتیں، فاتحہ ختم ہوجاتا تو حسین حسین کہتی ہوئی چوک کے قریب بیٹھ جاتیں۔ پھر عالم کی سواری نکل رہی ہو۔ شب عاشور مہاراجہ کے تعزیے کے ساتھ عوام کے تعزیے مل کر شانِ جلوس کو دوبالا کردیتے۔ مہاراجہ اپنے تعزیے کو کاندھا دے کر جلوس کی قیادت کرتا۔ ننگے پاؤں، ننگے سر، سر سے

ایام محرم میں ریاست کا تمام کاروبار عموماً بند رہتا، عام لوگ بھی محرم کی مصروفیت علم اور تعزیوں کے جلسوں میں گھما گھمی ہوتی ہے۔ اس کے سبب عشرہ کے آخر دنوں میں کام نہیں کرتے۔ عزاداری کی خصوصیات میں تعزیے کے جلوسوں کو ایک امتیاز حاصل تھا۔ مراٹھا اور مسلمان سب حسینی سپاہی معلوم ہوتے۔ جلوس میں لکڑی کی تلواروں سے مظاہرہ کیا جاتا۔

مہاراجہ نے جڑاؤ زیورات کنٹھے، جوشن، بالے، کنگن سب اتار کر فقیروں کا سبز لباس پہن لیا اور تعزیے کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا، پھر رانیوں نے چوک بھری، ان میں وہ رانی بھی تھیں جو ابھی عملی طور پر شادی شدہ زندگی میں داخل نہیں ہوئی تھی، اس کے بعد محل کا وہ حصہ مستقل عزاخانہ بن گیا۔ پہلا روز عاشور گذر کر دوسرا محرم آیا تو گوالیار شغل عزا میں گول کنڈا اور لکھنؤ کو شرمانے لگا اور اس کے بعد محل کا امام باڑہ قاعدے کے ساتھ تعمیر کیا گیا۔ اس کی پشت پر رانیوں، مہارانیوں اور معزز مراٹھا خواتین کے بیٹھنے کی جگہ بنوائی گئی تعزیہ بنانے کا خاص اہتمام کیا گیا۔ بانس اور برق کا تعزیہ مراٹھا شان وشوکت کا آئینہ دار تھا، اس کی آب و تاب سے آنکھوں سے چکاچوند پیدا ہوجاتی۔ سائز بہت بڑا نہیں، مگر اتنا وزنی کہ تین سو کہار مل کر اُٹھاتے، سب سے آگے مہاراجہ سندھیا خود اس کو کاندھا دیتا، امامباڑے کی جگمگاہٹ تعزیے سے کم نہ تھی۔ جھاڑ، فانوس، ہانڈی، کنول اور شمعوں سے آراستہ چاروں طرف قد آدم آئینے لگے رہتے تھے، آرائش کا یہ انداز ہر روز بدل دیا جاتا۔ تعزیہ جب امامباڑے میں رکھ دیا جاتا تو مہاراجہ ہاتھ جوڑ کر اس کے آگے کھڑا ہوتا۔ زنانے حصے میں معزز خواتین رانیوں اور مہارانیوں سمیت سبز ساڑیوں میں رہتیں، پریشانیوں پر اودی کی راکھ ملے سر جھکائے غم حسین میں بیٹھی نظر آتیں۔ عورتوں کے امامباڑے میں داخل ہونے کا منظر بھی بڑا دردناک ہوتا۔ روکھے اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ ایک طرف سے عزاخانے کے سامنے آتیں، دونوں ہاتھ جوڑ کر تعزیے کے سامنے خم ہوتیں اور حدود امامباڑہ شروع ہوتے ہی

گوالیار میں تین امامباڑے بن گئے، ان سب کی تقریباً ایسی ہی کیفیت تھی، دس روز تک ہر گلی کوچے میں سبیلیں، لنگر خانے جاری رہتے اور ان کی اتنی کثرت ہوتی کہ لینے والے کم پڑ جاتے، مجالس میں سوزخوانی ہوتی، نوحے اور مرثیے پڑھے جاتے، تقریر کرنے والے بھی باہر سے آتے۔ مجلس شروع ہوتی تو مہاراجہ اور تمام مراٹھا اس طرح دوزانو ادب سے بیٹھتے جیسے کسی بڑے شہنشاہ کے دربار کے ادنیٰ فقیر ہو۔ اندر رانیوں اور دوسری خواتین کا بھی یہی عالم ہوتا۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ وہ مصائب کا بیان ہونے پر اس طرح روتے اور پچھاڑے کھاتے کہ شیعوں کا تاثر ان کے سامنے قابل ذکر نہ رہتا۔ آہستہ آہستہ اکثر مراٹھا سرداروں نے اپنے امامباڑے گھروں میں بنوا لئے، وہ اسی طرح بارگاہ سیدالشہداء سے منتیں مانتے جس طرح شیعہ اور دوسرے مسلمان مانتے ہیں۔ ایام محرم میں ریاست کا تمام کاروبار عموماً بند رہتا، عام لوگ بھی محرم کی مصروفیت علم اور تعزیوں کے جلسوں میں گھما گھمی ہوتی ہے۔ اس کے سبب عشرہ کے آخر دنوں میں کام نہیں کرتے۔ عزاداری کی خصوصیات میں تعزیے کے جلوسوں کو ایک امتیاز حاصل تھا۔ مراٹھا اور مسلمان سب حسینی سپاہی معلوم ہوتے۔ جلوس میں لکڑی کی تلواروں سے مظاہرہ کیا جاتا۔ شیعہ یوں بھی گوالیار میں بہت ہی کم ہیں، وہ ان مظاہروں میں شرکت نہ کرتے آٹھ محرم کو سرکاری علم اُٹھتے جو شہر کا گشت کرتے تھے، ان میں فوجی دستے، ماہی مراتب، ہاتھی، بیل، گھوڑے، توپ خانہ پورے شاہی جاہ و جلال کے ساتھ شامل ہوتے۔ ساز وسامانکی شوکت دیکھ کر محسوس ہوتا کہ جیسے کسی وقت کے شہنشاہ یا فاتح

پاؤں تک سبز پوش، گرد وغبار میں اٹا ہوا، حسین حسین کہتا بڑھتا۔ قلعے کے پھاٹک تک تعزیے کو پہنچا کر واپس ہوتا تو پیچھے والے راستے سے نقاروں پر پہنچ جاتا جہاں رانیاں پہلے سے پہنچ جاتیں اور تعزیے کا انتظار کرتی رہتیں۔ قلعے کی پشت پر نواب معتمد خان بخش کا پکا تالاب تھا جسے ساگرتال کہتے ہیں اس کے جنوب میں ایک بہت بڑی دہل کھوک کر تیار رکھی جاتی جس کے ایک طرف زنانی بارگاہ ہے جس میں غم حسین میں اشکبار رانیاں ہوتی تھیں۔ تعزیہ دہل کے قریب رکھوا دیا جاتا تو زنانے حصے میں سوز کی قسم کے بین کئے جاتے اور جب سرکاری تعزیہ کرینوں کے ذریعے دل میں اُتر جاتا تو ایک طشت میں اندر سے مٹی آتی مہاراجہ آنسو بہاتا ہوا دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتا، پھر رانیوں اندر سے برآمد ہوتیں۔ طشت کی باقی مٹی وہ اپنے ہاتھوں سے دیتیں اور ایک درد بھری کیفیت میں اس طرح اُٹھ کھڑی ہوتیں جیسے اپنے کسی پیارے کو دفنا کر اُٹھی ہوں، اس کے بعد توپوں کی سلامی دی جاتی جو تعزیہ دفن ہونے کا اعلان ہوتا۔ شہنشانہ تدفین کے یہ لوازمات سلاطین مشرق نے جون پور میں شروع کئے تھے جو دکن میں قلی قطب شاہ کے ہاتھوں نکھارے گئے، پھر اودھ میں ان پر خلوص وعقیدت کے پھول چڑھائے گئے، وہ تعجب خیز نہیں حیرت تو ہے مہاراجہ گوالیار پر جو اسلام دھرم کو نہیں مانتا تھا ہندو دھرم کا ماننے والا تھا لیکن پیغمبر اسلام کے نواسے کیلئے اتنی عقیدت رکھتا تھا کہ سیدہ کونین اس کو مشرف بہ اسلام ہوجانے کی دعا ضرور دیتی ہوں گی۔

امام حسین کیلئے ہندو حضرات کی طرف سے یہ نذرانہ عقیدت عوامی سطح پر ہر جگہ پایا جاتا رہا ہے، پوربی پاکستان کے جنگی قیدی جب ہندوستان کے قلعے گوالیار میں لے جا کر رکھے گئے تو ایام محرم میں ایک سکھ صوبیدار نے بیان کیا۔

"میرے بچے پیدا ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد مر جایا کرتے تھے۔ اس طرح تین بچے ضائع ہوگئے، جن دنوں میں الہ آباد میں تھا تو میری بیوی (سردارنی) نے میرے پڑوسی شاہ صاحب کی بیوی سے ذکر کیا، وہ اس کو محرم کی 9 تاریخ کو الہ آباد کے ایک تعزیے خانے میں لے گئیں، وہاں میری بیوی تعزیے کے سامنے رات بھر لوبان سلگاتی رہیں اور سویرے پرساد وغیرہ چڑھا کر چلی آئیں واہے گرو کی کرپا سے میرے بیٹا پیدا ہوا اور بالکل ٹھیک ٹھاک رہا اس وقت میرا لڑکا (رندھیر) ملٹری اسکول جالندھر میں پڑھتا ہے، میری بیوی ہر سال محرم کی 9 تاریخ کو کسی قریبی تعزیے خانے میں جا کر رات بھر تعزیے کے سامنے کھڑی رہتی ہے، لوبان سلگاتی ہے، پرساد چڑھاتی ہے، دو چار خوٹیا، بتاشے وہاں سے لے کر آتی ہے اور رکھے رہتی ہے۔ رندھیر جب چھٹی پر گھر آتا تو اس کو کھلا کر پرارتھنا کرتی ہے، امام صاحب یہ بچہ آپ کی کرپا سے جیا ہے، اس کو آپ کی کرپا کی سدا ضرورت ہے۔ اس طرح کے واقعات گوالیار کے اکثر گھروں میں بیان کئے جاتے ہیں، مراٹھا عورتیں کہتی ہیں کہ میرا فلاں بچہ امام صاحب کی دین ہے، فلاں بچے کیلئے میں نے منت مانی تھی، وہ پیدا ہوا تو ہر سال اس کو لے جا کر تعزیے کے سامنے دعا کرتی ہوں کرامات ومعجزات کی اس فضا میں ہندوؤں میں تعزیہ داری کا فروغ ہوا۔ فی زمانہ اس میں کچھ کمی آگئی ہے، لیکن امام حسین کی معجزنمائی سے آج بھی کسی کو انکار نہیں۔

مینا کماری کا سلام

کتنے تھے رنگ ایک محمدؐ کے لال کے
عباس کا وہ غیض و تیور جلال کے
خود موت رکھ رہی ہے قدم دیکھ بھال کے
اصغر کو مانگا شہ نے کلیجہ سنبھال کے
ہاتھوں پہ ماں نے رکھ دیا دل کو نکال کے
پانی کیا طلب تو اجل نے کیا سلام
یوں بھی جواب ملتے ہیں اکثر سوال کے
اصغر گئے نہ گود سے بانو کے بین تھے
سینے سے لے گیا کوئی دل کو نکال کے
انساں کے دل کا وزن کیا تھا حسین نے
میزانِ موت میں علی اصغر کو ڈال کے
پامال ہو کے رہ گیا ہر مقصدِ یزید
رکھے قدم حسین نے جب دیکھ بھال کے
انصارِ شاہ تھے جو سر جنگ کربلا
جذبے عجیب تھے تو کلیجے کمال کے
عباس و قاسم و علی اکبر ظہرقین
کتنے تھے رنگ ایک محمد کے لال کے
کوثر اُنہیں ملا اُنہیں فردوس مل گئی
جو مدح خواں رہے ہیں محمد کی آل کے
صبر ورضا کی خوں بھری صورت کو دیکھ کر
چہرے اُتر کے رہ گئے جاہ وجلال کے
بتلا رہی ہے شام غریباں کی بیکسی
گیسو بکھر چکے ہیں محمد کی آل کے
پیشانی نیاز جھکا دی حسین نے
مینا یزیدِ نحس کو دوزخ میں ڈال کے

اہل بیت سے دوری کی وجہ سے اسلام پر دہشت گردی کا الزام

ڈاکٹر اقتدار حسین فاروقی

شہنشاہ بقاء کی بابت ترپاٹھی صاحب نے جس خوبصورت انداز میں باتیں کی ہیں مظاہر ہے وہ میرے بس کی بات نہیں ہے لیکن چونکہ میں پچھلے 50-60 سال سے سائنس کا ایک طالب علم رہا ہوں۔ لہٰذا میں آج کے اس موضوع کو اسلام میں دہشت گردی اور واقعہ کربلاؔ جو آج کا موضوع گفتگو ہے۔ دیکھئے سائنسی اصول جب اپنا لیا جاتا ہے تو وہ کی مدارج سے گذرتا ہے پہلا سائنسی فلسفہ سامنے آتا ہے پھر وہ سائنسی تھیوری بن جاتا ہے اگر وہ مشہدہ کہلاتا ہے، مشہدے میں آتا ہے اور پھر اس پہ جب مکمل کیا جاتا ہے اور تان او نکلتے ہیں جن کی توقع کی جاتی ہے تو پھر وہ سائنسی اصول کہا جاتا ہے تقریباً ہی سب کچھ دین اور مذاہب کی بابت بھی ہے، جب حالات خراب ہوتے ہیں اور ایک بیارین، ایک نیا فلسفہ آتا ہے تو لوگ اسے آسانی سے قبول نہیں کرتے ہیں لیکن جب سے قلعے کو جو دین کا فلسفہ کہلاتا ہے، اس کو لوگ قبول کرتے ہیں تو جب اصل مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جو دین کے بینک اور بنیادی باتیں ہیں کہ ان کو ماننے والے کتنے ہیں اور ان کو ماننے والے کیسے ہیں؟ اسلام کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہوا کہ اللہ کے کلمات سب انسانوں کے سامنے آئے لیکن ایک بڑی تعداد نے اس فلسفے کو ماننے سے انکار کردیا لیکن بتاریخ کا ایک حصہ ہے کہ وہ کیسے ہوا؟ کیسے کامیابی ملی؟ بہرحال ایک وقت وہ آیا جب اس فلسفے کو ملنے والے سامنے آئے اور انہوں نے اسلام کی بنیادی باتوں کو صرف یہی نہیں کیسے مانا بلکہ اس پر عمل کیا۔ اور ان بنیادی ہاتوں میں ایک بہت بڑی بنیادی بات تھی اور وہ نہ صرف عرب کے نازل میں بلکہ پوری دنیا کے تنازل میں وہ ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی کہ ساری انسانیت علم سے کانپ رہی تھی۔ این جناب آتے رہے اور آں جناب آتے رہے آدمیت علم کی چکی میں پستی ہی رہی یہ بات آج کی نئی تھی لیکن تھی اس وقت کی، چنانچہ مسلمانوں میں اصحاب نے بڑے بڑے ظلم کا سامنا کیا لیکن ایک وقت وہ آیا جب کربلا کا واقعہ ہوا اور علم کے خلاف نہ جھکنے کا جوڑ کن تھا اس پر مہر لگ گئی تو سچ پوچھئے تو سیا سلامی اصول کی ظلم کے خلاف جھکنا نہیں ہے، ظالم کے سامنے جھکنا نہیں ہے یہ شروعات تو رسول کے زمانے میں ہوگئی تھی لیکن اس پر مہر حضرت امام حسینؑ کے زمانے میں تھی۔ اور یہ جو مہر ہے، پچھلے 1400 سال سے بار بارہ ہرائی جارہی ہے اور افسوں ی ہے کہ دور انصاف اسلامی میں صرف مسلمان کیا ساری دنیا اس کو بھول چکی ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم دنیا کو یا ظہار کردیں کہ جو واقعہ کربلا ہوا تھا وہ صرف ایک واقعہ نہیں تھا بلکہ وہ اسلام کا ایک پیغام تھا جس پر جب تک عمل ہوتا رہا سلام ساری دنیا میں چھایا رہا اور جب عمل نہیں ہوا تو اسلام اور انحطاط اسلامی میں آگیا۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام کی جو بلندیاں تھیں اس کو ساری دنیا نے مانا تھا۔ اسپین سے لے کر ہندوستان تک مسلمان قیادت کر رہا تھا اور شاید آپ میں سے زیادہ تر جانتے ہوں کہ اس کی شروعات کیسے ہوئی تھی اس کی شروعات ہوئی تھی علم کی اس پیاس سے جو مسلمانوں کو تھی۔ اور شاید آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ علم کی پیاس کا ایک شخص جابر بن حیان تھا جو حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں ہو بارہ سال رہا۔ اس نے صرف دین حاصل نہیں کیا جبکہ اس نے علم کی ترغیب حاصل کی اور اس کا نتیجہ کیا او وتا سائنٹ بن گیا کہ ان کی جب اسے اس کو اور آپ کو ساری کہتے ہے کہ ہیں۔ پاکستان میان ساری دنیا میں مسلمانوں میں ایک اللہ ال بیان کیا ہے ان ہوا کی تردیت اول ما یک وہ شخصیت جوال ایات میں سے تھی جس نے صرف کیے ہیں اس کے ہے میں منتقل نہیں کیا بلکہ دنیا کا ظم ران کرد پاور مور کی اس مانک میانی رانی کی سلامی دیا جس میں اتنے بڑے سائنسداں اوئے جو ساری دنیا میں بھاگے۔ اگر آپ معاف فرمائیں تو بعد اسلامی قیادت ہوتی دو ملی قیادت تھی اور دین کے ساتھ تھی بلی وین کے نہیں تھی۔ اب ایک مسلمان اس دین سے دوری ہو جانے لگا تو رین ہو گیا اور

میں اپنی اصلی حالت میں کہیں اور اسے دیا اس سے دور ہوگئی اور ذلیل وخوار ہونے لگا اور برداشت گردی اس کے نام سے منسوب کر ہونے کئی پلٹی آپ کے اور ہمارے ڈیموں کی نہیں ہے اگر ہم انا احتساب کرلیں تو یہ غلطی ہماری ہے۔ آخر کیا وہ بولی کہ ہم اس ساری دنیا میں انسانوں کی قیادت کر رہے تھے اور نور 16 ویں صدی کے بعد ساری اسلامی دنیا ای روپ کی غلام ہوچکی تھی۔ کیا یہ ہے لوگ کہتے میں ہم نے اللہ کی رہی نہیں پکڑی، میں اس کو پوری طور سے مجھ نہیں پاتا ہوں۔ ظاہر ہے لوگ کہتے ہیں تو صیح ہی کہتے ہوں گے لیکن میرے نزدیک اللہ کی رہی پکڑنے کا مطلب یہ ہے ک اللہ کے علم کو مانو اور اب اللہ کے علم کو مانو گے اور علم تم کو ضرور یاد ہوگا جو قرآن اور حدیث میں بسلسلہ علم دیا گیا ہے اور اگر وہ علم آپ کو یاد ہیں ہوگا تو آپ اللہ کی رہی پاڑے، ہنے، اس سے ہونے کیا والا ہے تو اصل مسئلہ ہمارے دشمنوں کا نہیں ہے معاف کیجے گا اصل مسئلہ جو ہے او ہمارا اپنا ہے۔ دیکھئے ایک بات جو بہت اہم ہے کہا اگر آپ مسلمانوں کی تاریخ پڑھیں، یہ میں اس لئے نہیں کہ میں مسلمان ہوں مسلمانوں کی تعریف کر رہا ہوں اور ماضی میں چلا گیا کہ مسلمان و پیتا اور ہ تھا ا سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے، اہم سوال یہ ہے کہ مسلمان اب کیا ہے؟ یہی اصل مسئلہ ہے۔ اب سب لوگ کہتے ہیں کہ صاحب دیکھتے قرآن میں آیا ہے کہ ایک اگر شخص کی جو انوسینس ہے، ایک ہے، جو بدکار نہیں ہے اس کی آپ نے جان لی ہے تو گویا آپ نے پوری انسانیت کی جان لی ہے۔ اور اگر ایک معصوم کو آپ نے بچایا ہے تو پوری انسانیت کو آپ نے بچایا ہے۔ میں اکثر کہتا ہوں کہ یہ تو ہر دین کا دنیاوی مقصد ہے، یہ دین لوگ بھول جائیں وہ تو بات الگ ہے، کر چھیا شیٹی میں بھی آپ کسی کو جانتا نہیں مار سکتے، آپ کسی سے بدلا نہیں لے سکتے اور وہی اسلام میں بھی ہے۔ لیکن اصل چیز یہ ہے کہ ہماری کتاب میں کیا لکھا ہے یہ اہم نہیں ہے، ہم کیا کر رہے ہیں ہم نے عمل کیا کیا ہے یہ زیادہ اہم ہے۔ یہ بات مان لینے کی ہے کہ ہم جو کچھ بھی دعوے کر رہے ہیں اپنے دین کے متعلق اپنے دین کی عظمت کے متعلق، اپنے بزرگوں کی عظمت کے متعلق سب صحیح ہیں لیکن کافی نہیں ہیں۔ وہ دھوے جو ہم کر رہے ہیں اور اپنے ماضی کی تابنا کی بیان کر رہے ہیں وہ اگر ہم سے پوچھیں کہ حضور والا بہت اچھی بات ہے، آپ کے باپ دادا بہت پڑھے لکھے تھے، بہت بڑے عالم تھے۔ آپ پچھلے دس سال سے ہائی اسکول میں کیوں فیل ہو رہے ہیں؟ تو اس کا جواب ہمارے پاس ہی ہوگا کہ اصل چیز یہ نہیں ہے کہ ہمارے بزرگ کیا تھے اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان ہم کیا ہیں اور اگر آپ سے معلوم کرنا چاہیں کہ ہم کیا ہیں تو میں بتادوں کہ چند جملوں میں ہم کیا ہیں۔ اور ہماری طاقت کیا ہے؟

اس وقت ساری دنیا کی جی ڈی پی 60 ٹریلین ڈالر ہے مسلمانوں کے پاس کل ملا کر جس میں پیٹرول بھی شامل ہے جی ڈی پی 2.5 ٹریلین ڈالر ہے مسلمان دنیا میں نے 25 فیصد مسلمانوں کے پاس دولت 5 فیصد، عیسائی دنیا میں 33 فیصد اس کے پاس دولت 72 فیصد اور یقینی رکھئے۔ ابھی پرسوں میں ریڈیو پر مولانا کلب صادق کی تقریر سنی، بہت اچھی بات انہوں نے کہی، اچھی بات وہ اکثر کرتے ہیں، میں ان کی اچھی باتوں کا تذکرہ کچھ اس طرح کرتا ہوں کہ جیسے میں وہ خود کہہ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ جتنے مسئلے ہیں جو دہشت گردی کے الزامات لگائے جارہے ہیں ان کا حل صرف ایک ہی ہے، وہ ہے تعلیم اور غریبی کا خاتمہ اور میں ان سے صرف 90 فیصد متفق ہوں 10 فیصد میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ دیجئے تعلیم لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم، اگر سائنس اور ٹیکنالوجی ہم سے دور ہوگئی تو ہم غریبی ختم نہیں کرسکیں گے۔ اور ظلم جو دہشت گردی کے نام پر ہم پر ہو رہا ہے اسے ہم مٹا نہیں سکیں گے۔ ابط صرف ایک بات میں آپ سے اور عرض کردوں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں دہشت گردی اور غالباً انٹرنیٹ اور ویب سائٹوں پر آپ دیکھتے رہتے ہوں گے کہ اتنے زبردست مضامین پڑے ہوئے ہیں اسلام مخالفت کہ انسان جو ہے وہ دہل جائے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ سیکڑوں ایسے اسلام مخالفت مضامین ہیں جو اس وقت انٹرنیٹ پر آپ کو مل جائیں گے اور ثابت کرتے ہیں کہ اسلام ٹیررزم کا مذہب ہے۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا ہے کہ ہم بھی ان ہی کی طرح کا علم حاصل کریں اور ان کو بجائے ان پر غصہ ہونے کے بجائے ان کا جلوس نکالنے کے بجائے ان کا پتلہ جلانے کے ہم ان کو ان ہی کے علمی طریقے سے ان کا جواب دیں بغیر اس کے پاسیبل نہیں ہے۔

سرسید نے ایک مرتبہ کہا تھا رسول للہ کی شان میں گستاخی کی گئی تھی تو لوگوں نے جلوس نکالے تھے انہوں نے کہا جلوس سے کیا فائدہ؟ جس نے گستاخی کی ہے، کتاب لکھی ایک کتاب اس کے جواب میں تم بھی لکھو اور تمہارے لئے مشکل کیا ہے؟ تمہارے پاس تو قرآن اور حدیث کا سارا مواد موجود ہے۔ تم اس کی بنیاد اپنا بچاؤ آج ہی نہیں بلکہ قیامت تک کرسکتے ہو۔ تو آج کیوں نہیں کر رہے ہو؟ لیکن بہرحال اصل بات اس وقت ہمارا دفاع کمزور ہے اور کمزور صرف اس لئے ہے کہ ہم سائنس ٹیکنالوجی سے دور ہوگئے ہیں۔ ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے قریب آنا چاہئے۔ جابر بن حیان کی طرح کے لوگ جو ابتری صلاحیت کے لوگ ہیں ان کو ہمارے درمیان ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے امام جعفر صادقؑ ہم میں بار بار آنے والے نہیں۔ لیکن ہم ان کو یاد کر کے ان کا دیا درس ضرور حاصل کرسکتے ہیں، اتنا تو ہم کر ہی سکتے ہیں۔ بہرحال اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ آج مسلمانوں پر اتنا پریشر پڑ رہا ہے کہ شاید ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوجائیں کہ دین اور دنیا کو دو خانوں میں بانٹنے کا جو طریقہ ہم نے پچھلے تین سو سالوں سے اپنا رکھا ہے وہ ختم کیا جائے اور اتحاد کا نظریہ پھر سے اپنایا جائے۔

ممتاز ماہر نباتات قرآنی
سابق سائنٹسٹ این بی آر آئی، لکھنؤ

☆☆☆

سلام

ڈاکٹر سید بصیر الحسن وفاؔ نقوی

گلوئے خشک میں تیر و تبر اتارے گئے
مگر حسینؑ کسی حال میں نہ مارے گئے
سبھی شہید لہو میں وفائیں رکھتے تھے
سو ان کے چہرے لہو سے ہی بس نکھارے گئے
شہید ہوتے ہیں پیاسے ہی بے زباں اصغر
کہاں فرات کے بے اختیار دھارے گئے
سناں پہ ایسے چمکتے ہیں سر شہیدوں کے
نظر سے اپنی چمکتے ہوئے ستارے گئے
وہ جس نے دی تھی شفا دین کو شریعت کو
اسی کو عابدِ بیمار ہم پکارے گئے
زمینِ کرب و بلا سے ستم کو شکوہ ہے
یہاں چراغ ہواؤں سے کیوں نہ ہارے گئے
بجھا دیا تھا چراغاں نہ کوئی بیعت تھی
نہ اٹھ کے آلِ پیمبر کے پھر بھی پیارے گئے
سلام لکھتے رہے شان میں شہیدوں کی
وفاؔ ہم اپنا مقدر یونہی سنوارے گئے

موبائل:9219782014

میر انیس کے مرثیوں میں تصویر کشی کا فن

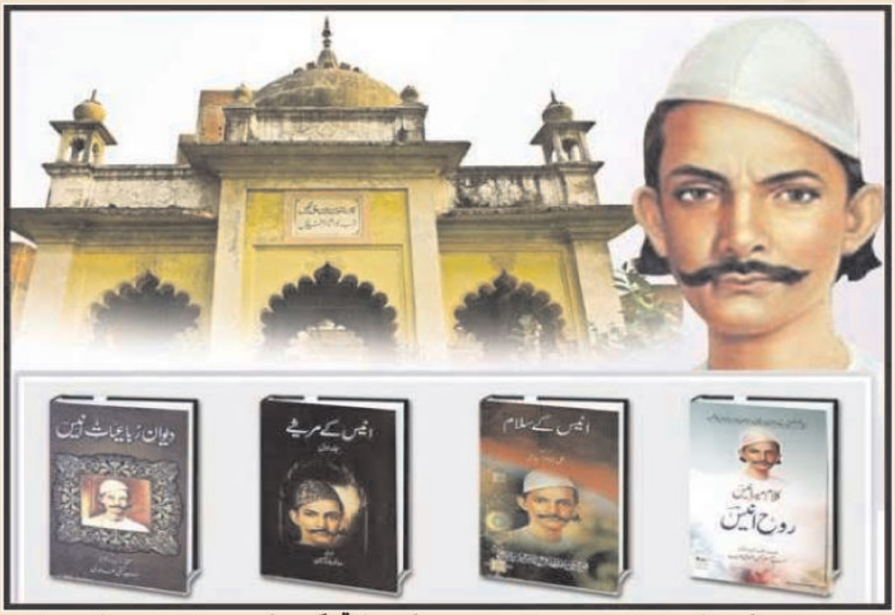

پروفیسر شارب رُدولوی

مرثیہ اردو شاعری کی ایک ایسی صنف ہے جس کی کوئی مثال کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی، دوسری زبانوں میں کچھ شخصی مرثیے ضرور مل جائیں گے، لیکن ان میں وہ وسعت اور ہمہ گیری نہیں جو اردو مرثیے میں ہے اردو مرثیوں میں ایسی جمالیاتی فنکاری ہے جس کی مثال خود اردو شاعری کی دوسری اصناف سے نہیں دی جاسکتی اور انیس نے اسے جذبات واحساسات اور تہذیب وثقافت کا ایسا مرقع بنا دیا ہے کہ لفظ لفظ زندہ اور متحرک تصوٗیر بن گیا ہے، اردو شاعری میں یوں تو واقعہ نگاری اور مرقع نگاری کی بے شمار مثالیں مل جائیں گی۔غزل میں بھی پیکر تراشی کے بڑے نازک نمونے موجود ہیں۔لیکن مرثیے میں تصویر کشی ایک آرٹ بن گئی ہے اور شاید مرثیے کی مقبولیت اوراس کی ادبی قدر میں اضافے کا ایک سبب اس میں تصویر کشی کا فن بھی ہے۔ مرثیے میں یہ تصویر کشی قدیم مرثیہ گوئیوں کے یہاں بھی ہے اور جدید مرثیہ گو شعراء کے یہاں بھی، لیکن میر انیس نے تصویر کشی کے فن کی طرف خصوصی توجہ دی ہے اور اس میں الفاظ کے ایسے شاہکار مرقعے بنائے ہیں جس کی دوسری مثال مشکل سے ملے گی۔ میر انیس کا تصویر کشی کی طرف خصوصی توجہ دینے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ مرثیہ ایک طویل بیانیہ نظم ہے جسے سامعین کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ سننے والوں کو کئی گھنٹے اپنی طرف متوجہ رکھنے کیلئے ضروری تھا کہ جو کچھ پڑھا جارہا ہے سامعین سننے کے ساتھ ساتھ اسے دیکھ بھی سکیں یہ اسی وقت ممکن تھا کہ وہ لحہ بہ لحہ رونا ہونے والے واقعات کا خود ایک حصہ بن جائے اس کے لئے ضرورت تھی کہ جو کچھ بیان کیا جارہا ہے اس کی تصویر ان کی نگاہوں کے سامنے آجائے اس لئے میر انیس نے صرف واقعات اور مناضر کی ہی تصویر کشی ہی نہیں کی بلکہ جذبات کی عکاسی بھی کی اور رمزو بزم کی ایسی متحرک تصویریں پیش کیں شبلی کو بھی کہنا پڑا کہ میر انیس نے واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجے تک پہنچا ہے، اردو کیا فارسی میں بھی اس کی نظیریں مشکل سے ملتی ہیں۔میر انیس کے یہاں تصویر کشی کے اس فن کی خصوصیت یہ ہے کہ واقعات اور مناظر کی صرف سطحی اور بے جان تصاویر نہیں ہیں بلکہ زندہ اور متحرک تصویریں ہیں۔شخصی پیکر تراشی کسی لفظ یا اشارے کے ذریعے اتنی مشکل نہیں جتنی کسی واقعے یا کسی منظر کی تصوٗیر اس لئے منظر یا واقعہ تنہا نہیں ہوتا اس سے بہت سی دوسری چیزیں وابستہ ہوتی ہیں اور اگر اس سے متعلق جزیات کی تصوٗیر نہیں بنتی تو منظر سپاٹ اور واقعہ بے کیف ہوجاتا ہے۔مرقع اسی وقت تکمیل کو پہنچتا ہے جب تمام جزیات اور ان کی کیفیت اس میں جھلکنے لگے۔تصویر کشی کی یہ مثالیں کم وبیش ہر مرثیہ گو کے یہاں مل جاتی ہے لیکن اس کی جتنی کامیاب اور پر اثر مثالیں میر انیس اور مرزا دبیر کے یہاں ملتی ہے وہ کمیاب ہے انہوں نے الفاظ کے ذریعے تصویر کشی کو ایک آرٹ بنا دیا۔میر انیس نے کہا تھا:-

کلمۂ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
سامنے تصویر پر گرنے لگے آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ
خوں برستا نظر آئے جو دکھائیں صف جنگ
رجم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائے ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائے ابھی

میر انیس نے اپنی شاعری کیلئے دعا کی تھی۔کم دعاؤں ایسی مقبولیت میسر آئی ہوگی وہ اگر اس کا دعویٰ بھی کرتے تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہوتا اس لئے کہ وہ جس کیفیت کی تصویر کشی کرتے ہیں سننے والا اسی کیفیت کو محسوس کرنے لگتا ہے یعنی اگر وہ خنکی وٹھنڈک یا صبح کا منظر بیان کرتے ہیں تو اس کی صرف تصویر ہی نظر نہیں آتی بلکہ وہی خنکی محسوس ہونے لگتی ہے یا اگر گرمی اور حبس کا ذکر کرتے ہیں تو وہی احساس ہونے لگتا ہے یعنی ان کا زور تصویر سے زیادہ کیفیت پر ہوتا ہے جس کے سحر میں وہ سامعین کو گرفتار کر لیتے ہیں، یہ بند آپ کئی بار پڑھ چکے ہوں گے، اب آپ صبح کی کیفیت تصویر کشی کے حوالے سے ملاحظہ کیجئے۔

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیاباں وہ سحر
دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر
لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بعد صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹخنے کی صدا آتی تھی

اس بند کے احترام پر توجہ دیجئے اس بند کا ہر پہلا مصرعہ عام بیانیہ تصویر یا منظر نگاری ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں بیاباں اور سحر مل کر صبح کا منظر تخلیق کرتے ہیں، لیکن دوسرا مصرعہ میر انیس کی فنکاری ہے جو اس منظر سے پیدا ہونے والی کیفیت کی تصویر پیش کرتا ہے، یعنی "دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر" وجد ایک بےخودی اور وارفتگی کی کیفیت کا نام ہے، جسے سیل ہوا میں اشجار کے جھومنے کی تصویر میں محسوس کیا جاسکتا ہے، اسی طرح دوسرا مصرعہ "اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر" صرف ایک تصویر ہے، جو صبح کو کسی باغ میں جاکر اپنے کیمرے کی گرفت میں لی جاسکتی ہے۔

لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر، یعنی نظر کا حسن فطرت دیکھ کر قابو سے باہر ہوجانا، میر انیس کے کمال فن کا نمونہ ہے اسی طرح گرمی کی شدت کا ایک منظر اسی بند میں دیکھئے، اس میں بھی پہلے ہی بند کی طرح احترام نظر آئے گا۔

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار میں
آہوں نہ منھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مقدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانا زمین پر

گرمی میں صبح یا شام اگر ٹھنڈی ہوا چلنے لگے تو دن بھر کی تپش سے کیسی راحت ملتی ہے اس کی کیسی خوبصورت تصویر میر انیس نے مرثیے کی اس بیت میں پیش کی، شاید کسی کینوس پر اس کو اتنی کامیابی سے نہ بنا سکے اور اگر بنا بھی لیا جائے تو وہ اثر انگیزی اور تحارف پیدا کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

زلفیں ہوا میں اُڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑ کے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

واقعہ نگاری کی تصویر کشی کے سلسلے میں بھی میر انیس نے اپنے خوب جوہر دکھائے ہیں بعض جگہوں پر تو محسوس ہوتا ہے کہ واقعی رنگ اور برش نہیں کیا جاسکتا ہے۔حضرت عباس پانی لینے کیلئے دریا کی طرف گھوڑے پر جارہے ہیں دریا پر فوج کا پہرا ہے۔قیام حسین میں بچے پیاس سے بچین ہیں اس لئے گھوڑے کو دوڑا کر حضرت عباس جلد سے جلد دریا پر پہنچ جانا چاہتے ہیں، دریا نشیب میں ہے اب اتنے بڑے واقعے اور اس کی جزیات کی تصویر صرف دو مصرعوں میں پیش کرتے ہیں۔

گھٹنیوں اُڑتا تھا دب دب کے فرس رانوں سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے

مرثیہ ایک کثیر الکردار صنف ہے اور ان کے رشتوں کی نوعیت مختلف ہے اس لئے مرثیہ نگار کے لئے جذبے کی تصویر کشی اور مشکل ہوجاتی ہے لیکن جذبات اور احساسات کی تصویریں مرثیوں کے بند میں اس طرح بکھری ہوئی ہے کہ اس کے بیان کیلئے ایک دفتر درکار ہے، یہاں پر جذبات کی تصویر کشی کی یہ تصویر دیکھئے، یہ وہ موقع ہے کہ امام حسین کے تمام انصار اور رشتے دار شہید ہو چکے ہیں اور اب اتمام حجت کے بعد امام حسین رجز پڑھتے ہیں۔

پسر فاتح صفانوں حنین آتا ہے
لو صفیں باندھ کے روکو کہ حسین آتا ہے

☆☆☆

حسین علیہ السلام اور عالم انسانیت

پروفیسر رگھوپتی سہائے
فراق گورکھپوری

حسینؑ کا نام اس وسیع دنیا کے کروڑوں انسانوں کے لئے آب حیات ہے۔اس نام نے میری آنکھیں ہمیشہ اشک آلود کردی ہیں حسینؑ کی بلند اور پاکیزہ سیرت محسوس کئے جانے کی چیز ہے۔ایسے الفاظ کا پانا آسان نہیں جو ان کے کردار کی عظمت کے مکمل مطہر ہوں۔یوں تو ان کی سیرت روحانیت اور آنسوؤں کی سب سے زیادہ تابناک روشنی میں کربلا (کرب وبلا) کے اندر چمک دکھاتی ہے۔لیکن جو لوگ حسینؑ کی زندگی سے کربلا میں شہادت واقع ہونے سے پہلے سے واقف ہیں ان کے لئے اس زندگی کی بےداغ اور استوار پاکیزگی، اس کی بشریت اس کا خلوص اور وقار، سچ کی عجیب اور سخت، امتحان کے مقابلے کی طاقت۔یہ باتیں اتنی نمایاں ہیں کہ بلا لحاظ مذہب و ملت ہر فرد سے بخوشی خراج عقیدت حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ایسے ہیرو روز نہیں پیدا ہوا کرتے

کیا صرف مسلمانوں کے پیارے ہیں حسینؑ
چرخ نوع بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہولینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ
(جوشؔ)

مجھ ایسے گنہگار انسان کے لئے حسینؑ کے اخلاقی کمالات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانا غالباً اپنی قابلیت سے بڑھ کر جرأت وتوانائی کے مرادف ہوگا۔

وہ دنیا کے بڑے سے بڑے خدا رسیدہ رشیوں اور شہیدوں کے ہم پلہ ہیں۔ان کا نام اور کام، ان کی زندگی اور موت کے واقعات ان نسلوں کی روحیں بیدار کریں گی جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں۔۔۔۔۔۔کوئی مرثیہ اور سوانح عمری ان کی سیرت کی عظمتوں کو نمایاں نہیں کرسکتی۔

خاتمہ میں بادب ایک تجویز اپنے سنی اور شیعہ بھائیوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دنیا بدل رہی ہے۔خون میں نہا کر ایک نئی بشریت ظہور پذیر ہوگی جو ذات اور عقیدے کی تفریق کا خاتمہ کردے گی۔یہ نیا عالم انسانی ایک خاندان ہوگا۔امام حسینؑ بنی نوع انسانی کے لئے جئے اور مرے۔تمام مسلمانوں اور دوسرے عقائد رکھنے والے تمام انسانوں کو امام حسینؑ کی شہادت سے زندگی کا سبق لینا چاہئے۔وہ حسینؑ جن کا دل صرف مسلمانوں کے لئے، صرف اپنے خاندانی والوں کے لئے نہیں صرف اپنے معتقد ہمراہیوں کے لئے نہیں بنی نوع انسان کے لئے دھڑک رہا تھا۔آج سے ہمارا مذہب انسانی برادری ہونا چاہئے۔

(انگریزی سے ترجمہ) محرم ۱۳۶۱ھ

(اما کی قربانی کا مقصد اسلامی تحفظ دین تھا۔ ادارہ) (بشکریہ ماہنامہ اصلاح لکھنؤ)